سوانح

محبوبِ الٰہی

حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

سوانح

محبوبِ الٰہی

حضرت نظام الدّین اولیاؒ رحمۃ اللہ علیہ

سوانحِ حیات، صفات و کمالات، تجدیدی و اصلاحی
کارنامے، تلامذہ و مسترشدین کا تذکرہ و تعارف

از

حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی

ناشر

منشی انیس احمد غفرلہٗ

ادارہ اشاعت دینیات (رجسٹرڈ)

حضرت نظام الدّینؒ۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳ (انڈیا)

marfat.com

نام کتاب ——— سوانح محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاءؒ
پہلا ایڈیشن ——— ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۹۸۶ء
کاتب ——— اختر زماں چمپارنی
طباعت ——— گلوب آفسیٹ پریس دریا گنج دہلی
صفحات ——— تقریباً ۲۰۰

اردو ایڈیشن
باہتمام محمد انس مینجر ادارہ

بمبئی میں ہماری برانچ جہاں سے یہ کتاب مل سکتی ہے۔

ادارہ اشاعت دینیات ۳۶/۱ محمد علی روڈ بمبئی ۴۰۰۰۰۳
(انڈیا)

دہلی ٹیلیفون: ۶۹۲۷۶۸ - ۶۱۷۱۴۲
بمبئی ٹیلیفون:

ISBN 81-7101-054-7

marfat.com

فہرستِ مضامین

مضمون	صفحہ
باب اوّل	
کچھ کتاب کے بارے میں	۷
حرفِ آغاز	۹
حالات و کمالات	۱۳
نام و نسب	〃
ابتدائی تعلیم و تربیت	۱۴
فقر و فاقہ اور والدہ کی تربیت	۱۵
	〃
شیخ کبیر سے مناسبت اور قلبی کشش	۱۶
	〃
دہلی کا سفر	۱۷
دہلی میں طالبِ علمی	〃
استاد کے محبوب	۱۸
علمی امتیاز و تفوّق	۱۹

مضمون	صفحہ
حفظِ مقامات اور اس کا کفارہ	۲۰
حدیث کی اجازت	〃
قلب کی بے چینی اور انجذاب الی اللہ	۲۱
والدہ صاحبہ کا انتقال	۲۲
والدہ کی یاد	۲۲
والدہ کا یقین و توکّل	۲۳
ایک تمنّائے خام	۲۴
اوجودھن کی پہلی حاضری	〃
طالب یا مطلوب؟	۲۵
مرید کی خاطر	〃
بیعت	۲۶
سلسلۂ تعلیم کا اجراء	〃
یا انقطاع؟	〃

marfat.com

مضمون	صفحہ
شیخ کبیرؒ سے درس	۲۸
درس کی لذّت	〃
خود شکنی کی تربیت	〃
فیصلہ کن موقع	۳۰
ایک رفیق کی ملامت	۳۲
کتنے بار حاضری ہوتی؟	۳۴
شیخ کی نوازشیں	〃
رخصت اور وصیّت	۳۵
ایک دُعا کی درخواست	〃
اجودھن سے دہلی کو	۳۶
تصفیۂ حقوق	۳۸
دہلی کی قیام گاہیں۔	۴۰
فقر و فاقہ	۴۲
غیر کے واسطہ کے بغیر	۴۳
شیخ کبیرؒ کی وفات	۴۴
غیاث پور کا قیام	۴۵
رجوعِ عام	۴۸
فقیرِ منعم	۴۹

مضمون	صفحہ
بیداری پر پہلا سوال	۵۰
دنیا سے تنفّر اور بذل و عطا	〃
زمین و جائداد سے پرہیز	۵۱
فقیر کا شاہی دسترخوان	〃
شیخ کی غذا	۵۴
ترتیب	۵۵
سلاطینِ عہد سے بے تعلّقی	〃
سلطان علاء الدین کا امتحان اور عقیدت	۵۸
بادشاہ کے آنے سے معذرت	۵۹
گھر کے دو دروازے	〃
عمِ اسلام	۶۰
سلطان قطب الدین کی مخالفت اور اس کا قتل	۶۲
غیبی لنگر	۶۶
غیاث الدّین تغلق کا عہد اور سرکاری مجلس مناظرہ	۶۷

marfat.com

مضمون	صفحہ
مجلسِ مناظرہ کا حال حضرت	۷۱
خواجہ کی زبان سے	
دہلی کی تباہی	۷۳
نظام الاوقات	۷۴
امیر خسروؒ کی خصوصیت	〃
شب کی تیاری	۷۶
سحری	〃
صبح کے وقت	۷۷
دن میں	〃
دلداری و تربیت	۷۸
قربِ سفر	〃
خلفائے کبار کو اجازت نامے	۷۹
اور ان کی محبت و مواخات	
وفات کا حال	۸۰
باب دوم	۸۴
اخلاق و صفات	〃
جامع اوصاف	〃
اخلاص	۸۵

مضمون	صفحہ
دشمن نوازی	۸۸
پردہ پوشی و نکتہ نوازی	۹۲
شفقت و تعلق	〃
غمخواریٔ عام	۹۵
چھوٹوں پر شفقت	۹۷
باب سوم	۱۰۰
اذواق و کیفیات	〃
محبت و ذوق	〃
سماع	۱۰۳
مزامیر سے نفرت و ممانعت	۱۰۸
سماع میں آپ کی کیفیت	۱۰۹
ذوقِ قرآن	۱۱۲
شیخ سے تعلق	۱۱۴
جماعت کا اہتمام اور	۱۱۵
بلند ہمتی	
شریعت کی پابندی اور	۱۱۶
اتباعِ سنت کا اہتمام	
باب چہارم	۱۱۸

marfat.com

مضمون	صفحہ
افادات وتحقیقات	۱۱۸
علمی پایہ	〃
علمی وادبی مناسبت	〃
حدیث وفقہ پر نظر	۱۱۹
اہمیتِ علم	۱۲۲
بلند علوم مضامین	۱۲۳
علوم صحیحہ شرعیہ	۱۲۴
حلال مانعِ راہِ خدا نہیں	۱۲۵
قلب متوجہ الی اللہ کے بعد کوئی چیز مضر نہیں۔	۱۲۶
ترکِ دنیا کی حقیقت	〃
طاعتِ لازم ومتعدی	۱۲۷
کشف وکراماتِ حجاب راہ	〃
علومِ انبیاءؑ واولیاءؒ	۱۲۸
دنیا کی محبت وعداوت	۱۲۹
مراتبِ تلاوتِ قرآن	۱۳۰
باب پنجم	۱۳۱
فیوض وبرکات	〃
تجدیدِ ایمان وتوبہ عام	〃
بیعت ایک عہد ومعاہدہ	۱۳۴
عمومِ بیعت کی حکمت	۱۳۶
عمومی زندگی پر اثر	۱۴۰
عشق کار روزِ بازار	۱۴۹
خلفاء کی تربیت	۱۵۰
چشتی خانقاہیں۔	۱۵۲
مریدین با اختصاص	۱۵۴
باب ششم	۱۶۰
حضرت خواجہ کی تعلیم وتربیت کے اثرات	〃
آپ کے خلفاء کی دینی واصلاحی خدمات	〃
سلاطینِ وقت سے بے رُعبی اور حق گوئی کے نمونے	۱۶۲
اسلامی سلطنت کی رہنمائی ونگرانی	۱۶۸
اشاعتِ اسلام	۱۷۸
خدمت واشاعتِ علم	۱۸۵
خاتمۂ کلام	۱۸۸

marfat.com

کچھ کتاب کے بارے میں

ہمارا کتب خانہ، ادارہ "اشاعتِ دینیات" ایسی جگہ واقع ہوا ہے جس کے سامنے سے ہند اور بیرونِ ہند کے لوگ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ مبارک کی زیارت کیلئے سامنے سے گزرتے ہیں اور تحریکِ تبلیغ کے مرکز و سرچشمۂ فیض و ہدایت حاصل کرنے والے احباب تو بالکل سامنے ہی ٹھہرتے ہیں۔ اس لئے ہر آنے والے کو جستجو ہوتی ہے کہ اتنی بڑی شخصیت کے حالات اور کارنامے اور ان کی دعوت و تبلیغ کے بنیادی کام کا مطالعہ کریں جنھوں نے اسلام کی بنیادوں کو نہ صرف یہ کہ مضبوط و مستحکم کیا بلکہ ان کے خلفاء و مریدین اور معتقدین کے ذریعہ ہند و بیرونِ ہند میں احیاءِ اسلام کے نقشے قائم کئے اور عشقِ الٰہی اور محبّت نبوی کی آگ سے سینوں کو گرمایا۔

ہمارے آدمی روزانہ صبح سے شام تک ان کے اس سوال کا جواب نفی میں دیتے دیتے شرمندہ ہوتے تھے کہ ایسی کوئی مستند کتاب ہمارے اسٹاک کے لاکھوں کتابوں کے ذخیرہ میں نہیں ہے جس سے کسی کتابچہ کے ذریعہ کم پیسوں اور کم وقت میں اپنے دل کی پیاس بجھا سکیں۔

marfat.com

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے اور ان سے دین کی خدمت کا بہت کام لے کہ انھوں نے اپنی تصنیف تاریخ دعوت و عزیمت کی پانچ جلدوں میں مجددینِ عظام کے تجدیدی کارناموں کی مستند تاریخ مرتب فرمائی جو ہند و بیرون ہند میں مقبولِ عام ہے۔ اور جس کا انگریزی ترجمہ بھی عالمِ اسلام میں شہرت و مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔

اس کتاب کی تیسری ضخیم جلد میں حضرت محبوب الٰہی کے حالات، معمولات، سوانح حیات اور تجدیدی کارنامے بڑی تفصیل سے جمع کئے ہیں۔ جو ان کے اس بحرِ ذخّار میں ایک آبدار موتی کی حیثیت رکھتے تھے۔ جس کو حاصل کر کے مطالعہ کرنا مشکل ترین امر تھا خصوصاً ان لوگوں کے لئے جو کم وقت میں اور کم پیسوں میں یہ علمی ذخیرہ حاصل کر سکیں۔

لہٰذا ان کے مضامین کا یہ مجموعہ ان کی اجازت و حکم سے الگ کتابی شکل میں بہترین کتابت اور عمدہ طباعت کے ساتھ شائع کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ احقر ناکارہ کو اور ادارہ کے جملہ خدام و معاونین کو اخلاصِ کامل اور نجاتِ اخروی کا وسیلہ بنائے۔ آمین

احقر انیس احمد عفرلہٗ، ادارہ اشاعتِ دینیات

(۱۴ جون ۱۹۸۶ء) حضرت نظام الدینؒ نئی دہلی ۱۳

حرفِ آغاز

کتاب کے آغاز میں حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی فرماتے ہیں۔ کتاب کی ترتیب وتصنیف میں راہ کی کچھ دشواریاں تھیں۔ ہندوستان کے اولیائے کرام وداعیانِ اسلام اور مشائخِ عظام کے تذکرہ میں بے شمار کتابیں لکھی گئیں ان میں بڑی بڑی تصنیفات بھی ہیں لیکن جب اس عصر کا کوئی مصنف ان کے ایسے حالات جمع کرنے کیلئے بیٹھتا ہے جن سے ان کے اصل کمالات، ان کی دینی وتبلیغی مساعی ان کی تعلیم وتربیت کے نتائج ان کے مزاج ومذاق پر روشنی پڑے اور اس زمانہ کے لوگوں کے لئے سبق آموز، شوق انگیز اور ہمّت آفریں ہوں اور یہ حیثیت ایک جلیل القدر اور کامل انسان کے ان کے حالات منظرِ عام پر آئیں اور ان کی سوانح کا صحیح ڈھانچہ سامنے آجائے تو اس کو سخت مایوسی اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے بعض اوقات صدہا صفحات کی ایک کتاب سے بلکہ متعدد کتابوں کی

marfat.com

مدد سے بھی ایک صفحہ کے بقدر مواد حاصل نہیں ہوتا۔ پوری پوری کتاب خوارق وکرامات محیر العقول واقعات اور عجائبات سے بھری ہوتی ہے۔ اور ضروری معلومات کا افسوسناک فقدان نظر آتا ہے۔ ہندوستان کے ایک بڑے مورخ (مولانا کے والد محترم رحمۃ اللہ علیہ) کے الفاظ میں اس صورت حال کا شکوہ سنیئے۔

"ملک کی بدذوقی دیکھئے کہ ابتدار سے ابتک ہندوستان کی سیکڑوں تاریخیں لکھی گئیں اور مختلف عنوانوں سے لکھی گئیں۔ مگر ان میں سے کوئی کتاب تاریخ نویسی کے صحیح معیار پر نہیں اترتی جس کتاب کو اٹھا کر دیکھئے معلوم ہوتا ہے کہ رزم و بزم کا کوئی افسانہ ہے فرہاد کوہ کن کے ذکر سے اگر کوئی صفحہ خالی مل گیا۔ تو چنگ و رباب کے ذکر سے اس کو آپ خالی نہ پائیں گے۔ اگر مقفیٰ عبارتوں اور مسجّع فقروں کے خارزار میں آپ کا دامن الجھ گیا تو یہ بھی ملنے کا نہیں۔ ایسی حالت میں کیا توقع ہو سکتی ہے کہ ہم اپنے اسلاف کی علمی زندگی کی صحیح تصویر ایسے ناتمام مرقع میں پائیں گے۔ کچھ ان بزرگوں کے حالات میں کتابیں ملتی ہیں جو کسی سلسلۂ طریقت کے ساتھ مربوط تھے۔ مگر اس

marfat.com

بدمذاقی کا کچھ ٹھکانہ ہے کہ آپ ان کتابوں سے ان کے نام و نسب، نشو و نما، تعلیم و تربیت، طریقہ، ماند و بود اور علمی مشاغل کی نسبت تحقیق کرنا چاہیں تو ایک حرف نہ ملے گا۔ مصنف کا سارا زور ان کے کشف و کرامات کے بیان کرنے پر صرف ہوتا ہے اور ان کو اس حد تک پہونچانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ وہ بنی نوع انسان کے ماوراء کوئی اور ہستی نظر آتے ہیں۔ وہ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ سوتے ہیں نہ اور خصائصِ انسانی سے کوئی سروکار ہے۔ نہ علمی مشاغل سے ان کو کوئی واسطہ ہے۔ ان کا صرف یہ کام ہے کہ وہ قانونِ قدرت کو ہمیشہ توڑتے رہیں اور موالیدِ ثلاثہ اور عناصرِ اربعہ پر اپنی حکومت و خود مختاری کو کسی طرح قائم رکھیں۔[1]

مولانا علی میاں مدظلہ، فرماتے ہیں کہ اس انتخاب (سوانح محبوبِ الٰہی کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ اسلام کی تاریخ دعوت و عزیمت میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ اور ہندوستان میں (جو ساتویں صدی کے بعد سے عالمِ اسلام کا مرکز اعصاب اور احیاء

---

[1] یادِ ایام (تاریخ گجرات) ص ۵۸ و ۵۹ از حکیم مولانا عبد الحییٰ رحمۃ اللہ علیہ

marfat.com

و تجدید کی تحریکوں کا منبع رہا ہے) اپنے روحانی و اصلاحی تحریک کی قیادت کی اور اپنے زمانہ اور بعد کی نسلوں کو سب سے زیادہ متاثر کیا۔ سب کے نزدیک ایمان و یقین، عشق و محبّت، درد و سوز، جذبۂ اتباعِ سنّت، عزیمت و علوِّ ہمت، ذوقِ دعوت و تبلیغ، اصلاحِ اعمال و اخلاق، دینی حِکَم و معارف اور بزرگوں کا اصل جوہر اور ان کی سوانح حیات کا اصل پیام ہے۔ راقمِ سطور نے سیرت سید احمد شہید کے مقدمہ میں ایک شعر لکھا تھا جو صورتِ حال کی صحیح ترجمانی کرتا ہے۔ اسی کا اعادہ یہاں بھی بھی مناسب معلوم ہوتا ہے[1]۔

ہم نے اپنے آشیانے کے لئے
جو چُبھے دل میں وہی تنکے لیے

ابوالحسن علی
مرکز دعوتِ اصلاح و تبلیغ
لکھنؤ

---

[1] تلخیص تاریخ دعوت و عزیمت جلد سوم ص ۱۸

marfat.com

محبوب الٰہی

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ

باب اوّل

حالات وکمالات

نام ونسب محمدؐ نام نظام الدّین لقب وعرف عام، والد ماجد کا نام احمدؐ بن علی، سادات حسینی میں سے تھے۔ نانہال بھی سادات میں تھا۔ دادا خواجہ علی اور نانا خواجہ عرب دونوں ہم جد تھے اور دونوں بخارا سے آکر کچھ مدّت لاہور رہے۔ وہاں سے بدایوں آئے۔

۶۳۶ھ میں بدایوں میں آپ کی ولادت ہوئی[1]۔ بدایوں (قدیم بداؤں) شرفاء اور سادات کا قدیم مسکن تھا۔ بہت سے سادات کرام اور مشائخ عظام نے ایران وخراسان سے آکر یہاں سکونت

---

[1] صاحب سیر الاولیاء نے آپ کی عمر شریف کا حساب لگا کر اس سنہ کا تعین کیا ہے۔ ۱۲

marfat.com

اختیار کر لی تھی۔[1]

ابتدائی تعلیم و تربیت

حضرت نظام الدینؒ پانچ سال کے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ والدہ ماجدہ نے جو اپنے وقت کی ایک بڑی صالحہ اور باخدا خاتون تھیں اس دُرِّ یتیم کی پرورش اور دینی و اخلاقی تربیت کا مردانہ ہمّت اور پدرانہ شفقت کے ساتھ اہتمام کیا۔ کتابیں پڑھنے کے قابل

---

[1] بداؤں روہیل کھنڈ میں دریائے سوٹھ کے بائیں کنارے پر واقع ہے۔ اس زمانہ میں بہت آباد اور پُر رونق مقام تھا۔ اور دہلی کیلئے سرحدی شہر کا کام دیتا تھا۔ چنانچہ پرانی دہلی کے ایک دروازے کا نام دروازۂ بداؤں تھا۔ (نزہتہ الخواطر)

قلعۂ بداؤں کے موجودہ کھنڈر اس کی عظمت اور استحکام کا پتہ دے رہے ہیں۔ ۱۱۹۶ء میں سلطان محمد غوری کے جرنیل قطب الدین ایبک نے اسے فتح کیا اور اپنے غلام ملک شمس الدین ایلتمش کو امیر بداؤں مقرر کیا۔ ایلتمش نے یہاں ۱۲۲۳ء میں ایک خوبصورت اور وسیع مسجد تعمیر کرائی جو اب بھی موجود ہے۔ اس مقام کی اہمیت کا مزید ثبوت درکار ہو تو وہ اس سے ملتا ہے کہ دہلی کے دو بادشاہ ایلتمش اور اس کا بیٹا رکن الدین فیروز شاہ دونوں تخت نشینی سے پہلے بداؤں کا گورنر رہ چکے تھے۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا بذیل بداؤں) منقول از مقالات دینی و علمی، مولوی محمد شفیع صاحب ایم، اے۔ (جلد اوّل ص ۲۴۱) ۱۲

marfat.com

ہوئے تو مولانا علاء الدین اصولی[1] کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور فقہ کی ابتدائی کتابوں تک ان سے تعلیم حاصل کی تو مولانا علاء الدین نے فرمایا کہ مولانا نظام الدین اب دستارِ فضیلت باندھو۔ والدہ صاحبہ سے آکر کہا کہ استاد نے دستار بندی کا حکم فرمایا ہے۔ میں دستار کہاں سے لاؤں؟ والدہ صاحبہ نے کہا۔ باباخاطر جمع رکھو۔ میں اس کی تدبیر کروں گی۔ چنانچہ روئی خرید کر اس کو کتوایا اور بہت جلد پگڑی تیار کرکے دی[2]۔ والدہ صاحبہ نے اس تقریب میں علماء وصلحارِ وقت کی دعوت کی۔ خواجہ علی مرید شیخ جلال الدین تبریزیؒ نے ایک پیچ باندھا اور حاضرینِ مجلس نے علم نافع اور تکمیل کی دعا کی[3]۔

فقر و فاقہ اور والدہ کی تربیت

اس چھوٹے سے شریف گھرانے میں جو سایۂ پدری سے محروم تھا فقر و فاقہ کوئی نئی بات نہ تھی حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ والدہ کا معمول تھا کہ جس روز ہمارے گھر کچھ

---

[1] مولانا علاء الدین علی الاصولی شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے مریدین میں تھے۔ اور اپنے شیخ کے نقش قدم پر اخفارِ حال کا بڑا اہتمام تھا۔ صبر و رضا کے ساتھ زندگی گزارتے تھے اور اوقات عزیز کو افادہ و عبادت میں مشغول و معمور رکھتے تھے۔ (نزہتہ الخواطر بحوالہ فوائد الفواد)

[2] سراج المجالس ترجمہ خیر المجالس ص۱۴۵ [3] ایضاً (ص۹۶)

marfat.com

پکانے کو نہ ہوتا تو فرماتیں کہ آج ہم خدا کے مہمان ہیں۔ مجھے یہ بات سن کر بڑا ذوق آتا۔ ایک دن کوئی خدا کا بندہ ایک تنکہ غلّہ گھر میں دے گیا۔ چند دن متواتر اس سے روٹی ملتی رہی۔ میں تنگ آگیا اور اس آرزو میں رہا کہ والدہ صاحبہ کب یہ فرمائیں گی کہ آج ہم سب خدا کے مہمان ہیں۔ آخر وہ غلّہ ختم ہوا اور والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ آج ہم خدا کے مہمان ہیں۔ یہ سُن کر مجھے ایسا ذوق اور ایسا سرور حاصل ہوا کہ بیان میں نہیں آسکتا[1]۔

شیخ کبیر[2] سے مناسبت اور قلبی کشش

حضرت خواجہؒ فرماتے ہیں کہ میں چھوٹا تھا۔ بارہ سال کا رہا ہوں گا یا کچھ کم زیادہ اس وقت میں لغت پڑھتا تھا۔ ایک شخص جو ابوبکر خرّاط کے نام سے مشہور تھا۔ ابوبکر قوّال بھی کہتے تھے میرے استاد کے پاس آیا وہ ملتان ہو کر آرہا تھا۔ اُس نے بیان کیا کہ میں حضرت شیخ بہاء الدّین زکریا ملتانی کے پاس سے آرہا ہوں۔ اس نے ان کے فضائل و مناقب بیان کرنے شروع کئے۔ کہ وہاں کے لوگ ایسے ذاکر، شاغل ہیں اور اوراد و نوافل کا ایسا انہماک

---

[1] سیر الاولیاء (ص ۱۱۳)

[2] شیخ کبیر سے مراد اس کتاب میں ہر جگہ شیخ الاسلام حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کی ذات ہے۔ ۱۲

marfat.com

ہے اور ذکر کی ایسی فضا ہے کہ مامائیں اور لونڈیاں بھی چکی چلاتے وقت ذکر میں مشغول رہتی ہیں۔ اسی طرح کی اور بہت سی خصوصیتیں بیان کرتا رہا مگر کوئی چیز میرے دل میں نہ جمی۔ اس کے بعد اس نے بیان کیا کہ میں وہاں سے اجودھن آیا۔ وہاں میں نے ایسا بادشاہ دین دیکھا اس نے شیخ الاسلام فرید الدینؒ کا تذکرہ کیا۔ یہ سنتے ہی میرے دل کو بے اختیار کشش ہوئی اور ان کی محبت وارادت میرے دل میں ایسی بیٹھ گئی کہ مجھے ان کا نام لینے میں مزہ آنے لگا۔ اور میں ہر نماز کے بعد مزے لے کر ان کے نام کی رٹ لگاتا۔[1]

دہلی کا سفر سولہ سال کی عمر میں حضرت خواجہ بدایوں سے دہلی آگئے۔[2]

دہلی میں طالب علمی آپ نے دہلی آکر طالب علمی کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہ مدت

---

[1] سیر الاولیاء (ص۱۰۱) فوائد الفواد (ص۱۴۹) ۱۲

[2] یہ سیر الاولیاء کا بیان ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ تین چار سال دہلی میں طالب علمی کرنے کے بعد خواجہ صاحب اجودھن گئے۔ اور حضرت خواجہ فرید الدینؒ سے بیعت کی۔ بیعت کے وقت آپ نے اپنی عمر بیس سال بیان کی ہے۔ (سیر الاولیاء ص۱۰۷) اس لئے سیر العارفین کا یہ بیان صحیح نہیں ہے کہ آپ پچیس سال کی عمر میں بدایوں سے دہلی تشریف لے گئے۔ ۱۲

marfat.com

تین چار سال کی تھی۔ دہلی میں اس وقت بڑے نامور اساتذہ جمع تھے[1]۔ یہ سلطان ناصر الدین محمود کا عہدِ حکومت اور غیاث الدین بلبن کا عہدِ وزارت تھا۔ اور مولانا شمس الدین خوارزمی جو کہ مستوفی الممالک ہو کر شمس الملک کے لقب سے مشہور روزگار ہوئے۔ استاد الاساتذہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ سلطنت کے ایک اہم ترین عہدے کی ذمہ داری و مشغولیت کے ساتھ اس زمانے کے علماء کی طرح درس و تدریس کا مشغلہ بھی جاری تھا۔ حضرت خواجہؒ ان کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔

اسناد کے محبوب

مولانا شمس الدّین کو حضرتؒ سے تعلقِ خاص تھا۔ اور وہ ان کے محبوب ترین شاگرد تھے۔ آپ جس حجرۂ خاص میں مطالعہ فرماتے تھے اس میں کسی شاگرد کو آنے کی اجازت نہیں تھی۔ مگر خواجہؒ اور ان کے دو رفیق مولانا قطب الدّین ناقلہ اور مولانا برہان الدّین باقی اس قانون سے مستثنیٰ تھے[2]۔

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ فیروز شاہی از قاضی ضیاء الدین برنی (صـ ۱۱۲) ۱۲

[2] یہ صدر محاسب یا اکاؤنٹنٹ جنرل کا عہدہ تھا اور بہت بڑے علماء کو دیا جاتا تھا۔ ۱۲

[3] سیر العارفین۔ ۱۲

marfat.com

خواجہ شمس الملک کی عادت تھی کہ اگر کوئی شاگرد ناغہ کردیتا تھا یا دیر سے آتا تھا تو فرماتے تھے کہ آخر مجھ سے کیا قصور ہوا تھا کہ آپ نہیں آئے؟ حضرت خواجہؒ نے خود یہ قصہ بیان کرتے ہوئے تبسم فرمایا اور کہا کہ اگر کسی سے مزاح فرماتے تو کہتے کہ مجھ سے کیا قصور ہوا کہ آپ نہیں آئے تاکہ میں پھر وہی قصور کروں لیکن مجھ سے ناغہ ہوجاتا یا دیر میں جاتا تو میرے جی میں آتا کہ آج مجھ سے بھی یہی فرمائیں گے. لیکن آپ مجھے دیکھ کر یہ شعر پڑھتے. ؎

آخر کم از آں کہ گاہ گاہے آئی و بما کنی نگاہے

اس کا تذکرہ کرتے ہوئے خواجہ صاحبؒ آبدیدہ ہوگئے اور سب سننے والوں پر رقّت طاری ہوگئی اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے اپنے حجرے میں اپنے ساتھ بٹھاتے، میں ہزار معذرت کرتا مگر منظور نہ فرماتے[1]

علمی امتیاز و تفوق

حضرت خواجہ نے اپنی ذہانت مناسبتِ خداداد اور محنت سے اپنے رفقاء کے درمیان علمی امتیاز اور تفوق پیدا کرلیا۔ علمی مباحثوں اور سوال جواب میں (جو قدیم نظامِ تعلیم کا ایک اہم جزو اور علمی استعداد و ذکاوت کی علامت سمجھی جاتی تھی)، آپ کی طلاقتِ لسانی اور قوتِ استدلال کا ایسا اظہار ہوا کہ آپ جس علمی مسئلہ پر بحث

---

[1] فوائد الفواد ص ۶۵ ۱۲

marfat.com

کرتے طلبہ لاجواب ہو جاتے اور محفل پر آپ کے علم و ذہانت کا سکّہ بیٹھ جاتا تھا۔ چنانچہ آپ کے ساتھی آپ کو مولانا نظام الدین بحّاث اور مولانا نظام الدین محفل شکن کے لقب سے پکارنے لگے[1]

حفظ مقامات اور اس کا کفارہ

اس زمانہ کے نصاب میں مقامات حریری داخل درس تھی۔ عام طور پر طلبہ اس کے سمجھ لینے اور اس کے مشکل الفاظ و مفردات کے یاد کر لینے پر اکتفا کرتے تھے لیکن حضرت خواجہؒ نے اپنے علمی ذوق اور بلند ہمتی سے اس کے چالیس مقامے حفظ کئے بعد میں اس کے کفارے میں حدیث کی مشہور کتاب "مشارق الانوار" حفظ کی[2]

حدیث کی اجازت

آپ نے حدیث اپنے زمانہ کے مشہور محدّث شیخ محمد بن احمد المایکلی مشہور کمال الدین زاہد (م ۶۸۴ھ) سے پڑھی۔ جو مصنّف مشارق الانوار علّامہ حسن ابن محمد الصغانی کے براہ راست شاگرد تھے۔ فقہ میں ان کو بیک واسطہ صاحب ہدایہ علّامہ برہان الدین المرغینانی سے تلمذ تھا۔ آپ نے ان سے "مشارق الانوار" کا درس

---

[1] سیر الاولیاء (ص ۱۰۱)

[2] سیر الاولیاء (ص ۱۰۱)

marfat.com

لیا اور حدیث کی اجازت حاصل کی۔[1]

قلب کی بے چینی اور انجذاب الی اللہ

حضرت خواجہؒ اگرچہ پورے انہماک کے ساتھ طلب علم میں مشغول تھے اور ان کی بلند ہمتی اور عزیمت اس سلسلہ میں کسی کسلمندی اور تساہل کی روادار نہ تھی لیکن دل کسی اور چیز کو ڈھونڈتا تھا۔ اس بحث و مباحثہ اور علومِ ظاہری کی فضا میں ان کی طبیعت متوحش ہو جاتی تھی۔ ایک دن فرمایا کہ ایام جوانی میں کہ جب لوگوں کے ساتھ نشست و برخاست

---

[1] سیر الاولیاء (ص۱۰۵) اجازت نامہ جو عربی میں ہے اور سیر الاولیاء میں بلفظہٖ منقول ہے۔ ۲۲ ربیع الاول ۶۷۹ھ تاریخ درج ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اجازت نامہ آپ کو جب حاصل ہوا ہے اس وقت آپ کی عمر (سنہ ولادت ۶۳۶ھ کے حساب سے) ۴۳ تھی اور یہ واقعہ شیخ کبیر کی وفات (۶۶۴ھ) کے تیرہ سال کے بعد اور اس وقت کا ہے جب آپ مسندِ ارشاد و تربیت پر متمکن تھے اور آپ کی شہرت دُور دُور پہونچ چکی تھی۔ اجازت نامہ میں آپ کے لئے "اَلشَّیْخُ الْاِمَامُ الْعَالِمُ النَّاسِکُ اور مَقْبُوْلُ الْمَشَائِخِ الْکِبَارِ مَنْظُوْرُ الْعُلَمَاءِ الْاَخْیَارِ الْاَبْرَارِ کے الفاظ ہیں۔ اس عمر و شہرت میں حدیث کی تکمیل اور حصولِ اجازت سے آپ کے علمی ذوق اور علو ہمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ۱۲

marfat.com

رکھتا تھا ہمیشہ دل پر گرانی رہتی تھی اور دل ہی دل میں کہتا تھا کہ میں کب ان لوگوں کے بیچ میں سے چلا جاؤں گا۔ اگرچہ یہ سب پڑھنے پڑھانے والے لوگ تھے اور ہمیشہ علمی بحث و مباحثہ میں مشغول رہتے تھے لیکن اکثر میری طبیعت متوحش ہو جاتی اور میں دوستوں سے کہتا کہ میں ہمیشہ تمہارے درمیان نہیں رہوں گا۔ میں کچھ دن تمہارے یہاں مہمان ہوں۔ امیر حسن علا سجزی فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یہ حضرت شیخ الاسلام فریدالدین رح کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے کا قصہ ہے۔ فرمایا: "ہاں"۔

والدہ صاحبہ کا انتقال

دہلی کے قیام میں حضرت خواجہ کی والدہ ماجدہ نے انتقال فرمایا۔

والدہ کی یاد

ایک روز عرصہ کے بعد حضرت خواجہ نے اپنی والدہ کے انتقال کا ذکر کیا۔ ذکر کرتے ہوئے اتنا گریہ طاری ہوا کہ جو کچھ فرماتے تھے پورے طور پر سننے میں نہیں آتا تھا۔ اسی حالت میں یہ شعر پڑھا۔ ؎

افسوس دلم کہ ہیچ تدبیر نکرد　　شبہائے وصال را بہ زنجیر نکرد[1]

---

[1] فوائد الفواد (ص ۱۰)

marfat.com

والدہ کا یقین و توکل

حضرت خواجہؒ فرماتے ہیں:۔ ایک دن نیا چاند دیکھکر حاضر ہوا اور قدم بوسی کی اور نئے چاند کی مبارکباد معمول کے مطابق پیش کی۔ فرمایا کہ:۔ آئندہ مہینہ کے چاند کے موقع پر کس کی قدم بوسی کروگے؟ میں سمجھ گیا کہ انتقال کا وقت قریب ہے۔ میرا دل بھر آیا اور میں رونے لگا۔ میں نے کہا کہ:۔ مخدومہ! مجھ غریب و بیچارہ کو آپ کس کے سپرد کرتی ہیں؟ فرمایا:۔ اس کا کل جواب دوں گی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس وقت کیوں نہیں جواب دیتیں۔ یہ بھی فرمایا کہ:۔ جاؤ آج رات شیخ نجیب الدین کے یہاں رہو۔ ان کے فرمانے کے مطابق میں وہاں گیا۔ آخر شب میں صبح کے قریب خادمہ دوڑتی ہوئی آئی کہ بی بی تم کو بلا رہی ہیں۔ میں ڈرا اور میں نے پوچھا خیریت ہے؟ کہا ہاں، جب میں حاضر خدمت ہوا تو فرمایا کہ:۔ کل تم نے مجھ سے ایک بات پوچھی تھی میں نے اس کا جواب دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اب میں اس کا جواب دیتی ہوں غور سے سنو! فرمایا تمہارا دایاں ہاتھ کون سا ہے۔ میں نے ہاتھ سامنے کر دیا۔ میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا:۔ خدایا! اس کو تیرے سپرد کرتی ہوں۔ یہ کہا اور جان بحق تسلیم ہوئیں۔ میں نے اس پر خدا کا بہت شکر کیا اور اپنے دل میں کہا کہ اگر والدہ سونے اور موتیوں سے بھرا ہوا ایک گھر چھوڑ کر جاتیں تو مجھے اتنی خوشی نہ ہوتی۔ سیر الاولیاء ص۱۵۱

marfat.com

ایک تمنّائے خام

اس وقت دارالحکومت دہلی کی پوری فضا خاص طور پر طلبہ اور علماء کے حلقے قضا و افتا کے تذکروں، ان منصبوں پر علماء کی تقرری اور قاضیوں اور مفتیوں کے جاہ و جلال اور دولت و ثروت کے قصّوں سے معمور و گرم تھے۔ حضرت خواجہؒ اپنی فطری سعادت اور اعلیٰ روحانی استعداد کے باوجود اس وقت کم سن اور نوجوان تھے۔ علمی امتیاز اور معاشی تنگ حالی کے ساتھ اگر ان کے دل میں بھی کسی جاہ و منصب کا ولولہ اور امنگ پیدا ہوتی تو فطرتِ انسانی کے کچھ خلاف نہیں۔ آپ نے ایک دن شیخ نجیب الدین متوکّلؒ سے عرض کیا کہ دعا کیجیئے کہ میں قاضی ہو جاؤں۔ شیخ نجیب الدینؒ خاموش رہے اور کچھ نہ فرمایا۔ حضرت خواجہ سمجھے کہ انھوں نے سنا نہیں۔ دوبارہ ذرا بلند آواز سے فرمایا کہ دعا کی درخواست کرتا ہوں کہ کہیں کا قاضی ہو جاؤں۔ شیخ نے فرمایا:۔

قاضی مت ہو کچھ اور چیز ہو[1]

اجودھن کی پہلی حاضری

حضرت خواجہؒ اجودھن حاضر ہونے سے پہلے دہلی میں شیخ کبیر کے برادرِ حقیقی خواجہ نجیب الدین متوکل سے متعارف ہو چکے تھے۔ اور کچھ عرصہ ان کے ساتھ رہنا بھی ہوا تھا۔ ان کی صحبت اور گفتگو نے

---

[1] فوائد الفواد (ص۲۵)

marfat.com

شیخ کبیر کے ساتھ محبت کی اس چنگاری میں جو کمسنی اور بدایوں کے قیام ہی سے طبیعت میں ودیعت تھی۔ اشتعال و حرکت پیدا کر دی آپ نے شیخ کبیر کی خدمت میں حاضری کا عزم کر لیا اور بالآخر آپ ان کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

طالب یا مطلوب؟

اپنی اس ملاقات اور پہلی حاضری کا حال خود ہی بیان فرمایا، ارشاد ہوا کہ میں جب شیخ کبیر کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے دیکھتے ہی یہ شعر پڑھا۔ ؎

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ　　سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

میں نے چاہا کہ پائے بوسی کے اشتیاق کو جو عرصہ دراز سے بے چین کئے ہوئے تھا ذرا تفصیل سے بیان کر دوں لیکن شیخ کے رعب و جلال سے زبان اور قوت گویائی نے ساتھ نہ دیا۔ اتنا ہی کہہ سکا کہ قدمبوسی کا سخت اشتیاق تھا۔ شیخ نے جب دیکھا کہ میں اتنا مرعوب ہوں تو فرمایا:" لِکُلِّ دَاخِلٍ دَھْشَۃٌ　" ہر نئے آنے والے پر رعب ہوتا ہی ہے۔[1]

مرید کی خاطر

شیخ کبیرؒ نے حضرت خواجہ کی بڑی خاطر فرمائی۔ ارشاد ہوا کہ اس پردیسی طالب علم کے لئے جماعت خانہ میں چارپائی بچھائی جائے۔ حضرت خواجہ فرماتے

---

[1] فوائد الفواد (ص ۳۱)

marfat.com

ہیں کہ جب چارپائی بچھ گئی تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں ہرگز اس چارپائی پر آرام نہ کروں گا۔ کتنے معزز مسافر کتنے حافظ کلام اللہ کتنے عاشقانِ خدا زمین پر سو رہے ہیں۔ میں چارپائی پر کیسے لیٹوں؟ یہ خبر منتظم خانقاہ مولانا بدرالدین اسحاق کو پہنچی انھوں نے فرمایا کہ ان سے کہدو کہ تمھیں اپنے دل کی کرنا ہے یا شیخ کے ارشاد کی تعمیل؟ میں نے عرض کیا کہ شیخ کے ارشاد کی تعمیل کروں گا۔ فرمایا کہ جاؤ چارپائی پر سو رہے[1]

بیعت

اسی حاضری میں کسی وقت حضرت خواجہ جس ارادہ سے آئے تھے اس کی تکمیل کی اور شیخ کبیرؒ سے بیعت ہو گئے۔ اس وقت آپ کی عمر بیس سال کی تھی[2]

سلسلۂ تعلیم کا اجرا یا انقطاع

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ کی کچھ کتابیں ابھی باقی تھیں، جذب و شوق کا تقاضا تھا کہ اب اس سلسلہ کو ختم کیا جائے اور علمِ تحقیقی اور معرفت حقیقی کی تحصیل میں صرف کیا جائے جو پیدائش کا اصل مقصد اور یہاں کی حاضری کی غرض و غایت ہے۔ گویا سعدی کا یہ شعر حسبِ حال تھا۔ ؎

---

[1] سیر الاولیاء (ص ۱۰۷) [2] ایضاً (ص ۱۰۷)

marfat.com

سعدی بشوے لوح دل از نقش غیر دوست
علمے کہ رہ بحق نہ نماید جہالت است

تعلیم و تعلم کا طویل سلسلہ پہلے بھی قلبِ حساس اور رُوح بیدار پر بار تھا لیکن اس کو ایک ضرورت سمجھ کر اور اس لئے بھی کہ کوئی دوسرا راستہ سامنے نہ تھا اختیار کیا تھا۔ اب جبکہ یقین کا سر رشتہ اور علم حقیقی کا سرچشمہ مل گیا اس سلسلۂ دراز کا جاری رکھنا طبیعت پر سخت بار تھا اور زبان حال کہہ رہی تھی۔ ؎

تیری نظر میں ہیں تمام میرے گذشتہ روز و شب
مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علمِ نخیلِ بے رطب

لیکن جس شیخ کامل سے تعلق پیدا کر لیا تھا وہ جذب کامل کے ساتھ خود بھی کامل العلم تھا۔ اور طریقت کے لئے بقدر ضرورت علم ظاہر کو ضروری سمجھتا تھا۔ خود اس کے شیخ نے یہی ہدایت اس کو کی تھی۔ پھر مولانا نظام الدین سے ارشاد و تربیت کا جو عالمگیر کام لینا تھا اس کی نازک ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لئے علم راسخ کی ضرورت تھی۔ یوں بھی صاحبِ نظر شیوخ طالب کی مناسبت کو دیکھتے ہیں۔ حضرت خواجہ نے بیعت کے بعد فرمایا کہ میں تعلیم ختم کر دوں، اور اوراد و نوافل میں مشغول ہو جاؤں؟ شیخ کبیرؒ نے فرمایا کہ میں کسی کو تعلیم سے نہیں چھڑاتا۔ وہ بھی کرو، یہ بھی کرو، دیکھو کیا چیز غالب آتی ہے؟ یہ بھی فرمایا کہ :۔ درویش کو تھوڑا علم بھی چاہیئے۔ (سیر الاولیاء صـ۱۰۱)

marfat.com

شیخ کبیرؒ سے درس

شیخ کبیر کی یہ خصوصی عنایت اور اختصاص تھا کہ آپ نے حضرت خواجہ کو بنفسِ نفیس بعض چیزیں پڑھانا شروع کیں۔ فرمایا کہ :۔ نظام تم کو کچھ کتابیں مجھ سے بھی پڑھنی ہوں گی۔ چنانچہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ کی تصوف کی مشہور کتاب عوارف المعارف کا درس شروع کیا اور چھ باب اس کے پڑھائے۔ اس کے علاوہ تمہید ابوشکور سالمی بھی اوّل سے آخر تک سبقاً سبقاً پڑھائی۔ مزید برآں تجوید کی تعلیم بھی دی۔ اور چھپارے کامل تجوید کے ساتھ پڑھائے۔[1]

درس کی لذت

حضرت خواجہؒ زمانہ گزر جانے کے بعد بھی اس درس کی لذت کو یاد فرماتے رہے۔ فرماتے تھے کہ عوارف کے درس میں جو حقائق اور نکات حضرتؒ کی زبان سے سنے وہ پھر کبھی سننے میں نہ آئیں گے۔ بیان کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ جب حضرتؒ تقریر فرماتے تھے تو یہ آرزو ہوتی تھی کہ اگر اسی حالت میں موت آجاتی تو بڑا اچھا ہوتا۔[2]

خود شکنی کی تربیت

عوارف کا جو نسخہ درس کے وقت شیخ کبیر کے ہاتھ میں ہوتا تھا وہ کچھ سقیم بھی تھا اور خط بھی باریک تھا۔ چند ہی اسباق کے

---

[1] سیر الاولیاء (ص ۱۰۶) [2] فوائد الفواد (ص ۵۷)

marfat.com

بعد ایک ایسا مقام آیا جہاں شیخ کو کچھ دیر تامل رہا۔ خواجہ نے (سادگی اور نو عمری میں) کہا کہ میں نے شیخ نجیب الدّین متوکل کے پاس ایک اور نسخہ دیکھا تھا وہ نسخہ صحیح تھا۔ شیخ نے فرمایا:۔ "درویش را قوت تصحیح نسخہ سقیم نیست"۔ (فقیر کو سقیم نسخہ کی تصحیح کی طاقت نہیں) بار بار شیخ نے یہ فقرہ دہرایا۔ خواجہ فرماتے ہیں کہ شروع میں تو مجھے خیال نہ آیا لیکن بار بار یہ الفاظ شیخ کی زبان سے نکلے تو سبق کے دوسرے ساتھی مولانا بدر الدین اسحاق نے بتلایا کہ خطاب تمھاری طرف ہے۔

حضرت خواجہ کے ہوش اڑ گئے فرماتے ہیں کہ "سر برہنہ کردم و در پائے شیخ افتادم" کہتے جاتے تھے۔ نعوذ باللہ میرا اس سے حضرت پر تعریض کرنا ہرگز مقصود نہ تھا۔ خواجہ فرماتے ہیں میں نے ہر چند معذرت کی۔ لیکن حضرت کا ملال خاطر نہ گیا۔ فرماتے ہیں میں اٹھ گیا لیکن سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں۔ وہ دن جیسا مجھ پر گزرا اور جس حزن و غم کا پہاڑ مجھ پر ٹوٹا شاید کبھی کسی شخص کو ایسا کبھی پیش آیا ہو۔ سراسیمہ و پریشان باہر آیا۔ ایک مرتبہ تو یہ جی چاہا کہ کنوئیں میں گر کر جان دیدوں لیکن کچھ سوچ کر باز رہا۔ اسی پریشانی اور سراسیمگی کی حالت میں جنگل کو نکل گیا اور بہت رویا۔

شیخ کبیرؒ کے ایک صاحبزادے شہاب الدین نامی سے خواجہ کا خاص میل ملاپ تھا۔ انھوں نے شیخ کبیر سے خواجہ کا یہ حال کہا جو مقصود تھا پورا ہو چکا تھا۔ حاضری کی اجازت مرحمت ہوئی۔ "بآمدم سر برہ

marfat.com

قدم مبارک آوردم" معافی ہوئی۔ دوسرے روز طلب فرمایا اور ارشاد ہوا:۔ یہ سب میں نے تمھاری تکمیل حال کے لئے کیا۔ پیر مشاطۂ مریدہوتا ہے۔ اس ارشاد کے بعد خلعت وکسوتِ خاص سے سرفراز فرمایا گیا۔[1]

فیصلہ کن موقع

حضرت خواجہ نظام الدین کے لئے وہ وقت جب شیخ کبیرؒ نے ان کے صرف اتنا کہدینے پر کہ "میں نے شیخ نجیب الدین کے پاس ایک بہتر نسخہ دیکھا ہے"۔ اپنی کبیدگی اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ ایک بڑا نازک وقت تھا۔ بظاہر اس معصوم جملہ اور اطلاع پر کہ" میں نے آپ ہی کے بھائی کے پاس ایک بہتر نسخہ دیکھا ہے"۔ اتنی ناراضگی اور احتجاج کی ضرورت

---

[1] فوائد الفواد (ص۲۷)، یہاں پر کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ شیخ کامل نے تلمیذ رشید کی ایک معمولی سی اطلاع اور معروض پر اتنی برافروختگی اور آزردگی کا اظہار فرمایا۔ اس لئے کہ جیسا کہ خود شیخ کے جملہ سے معلوم ہوتا ہے یہ سب آزردگی بہ تکلف اور طالب رشید کی ترقی باطن اور خودشکنی کے لئے ہے۔ شیخ مجتہد ومخلص اس کے لئے اپنے اجتہاد سے مختلف ذرائع اختیار کرسکتا ہے۔ اور اس کے لئے کسی تقریب وموقع کا بھی انتخاب کرسکتا ہے حضرت کعب بن مالکؓ کے ابتلا کے واقعہ سے اور ان کو اس کوتاہی پر جو ان سے بلا ارادہ سرزد ہوئی تھی جو سرزنش کی گئی اور ان کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا اور کرایا گیا اس سے بھی روشنی اور رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔۱۲

marfat.com

نہ تھی، لیکن یہ شیخ کامل کو ایک ایسے طالب علم سے جس کو اس کا جانشین بننا تھا اور لوگوں کی خود شکنی کی تربیت کرنی تھی، اتنی خود بینی بھی گوارا نہ تھی۔ پھر اس مسترشد کو کمال حال کے جس مقام تک پہونچانا تھا اس کے لئے اضطرار و اضطراب، شکستہ دلی و شکستگی کی خاص کیفیت پیدا کرنی مقصود تھی۔ لیکن ایک ذہین اور صاحبِ استعداد نوجوان کیلئے جو اپنی علمی تکمیل کر چکا تھا یہ وقت بڑا نازک اور فیصلہ کن تھا اور اسی پر اس کے مستقبل کا انحصار تھا۔ مولانا سیّد مناظر احسن گیلانی نے صحیح لکھا ہے :-

"صادق و کاذب طلب میں امتیاز کا وقت آگیا دنیا دیکھ رہی تھی اب مولانا نظام الدّین کا فیصلہ کیا ہوتا ہے؟ کیا مولانا بحاث اور محفل شکن ہی کے لقب کو لے کر دنیا سے واپس چلے جائیں گے، جیسے لاکھوں ہی بحاث و محفل شکن آئے اور چلے گئے یا مشائخ کے سلطان کا جو تخت خالی ہے اس پر قدم رکھنے کی ہمت کرتے ہیں۔ اپنے اپنے حوصلہ کی بات ہوتی ہے ورنہ سچ یہی ہے۔ ؎

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

چند کلیاں جواب تک ان کے ہاتھ میں تھیں وہ پھینک دی گئیں اور اپنی تنگ دامانی کے علاج کے آخری فیصلہ

marfat.com

بروہ ڈٹ گئے۔ ظرف کے چھوٹے ہوتے تو کہہ سکتے تھے کہ بھلا میرا کیا قصور ہے میں نے غلطی ہی کیا کی ہے۔ ایک اچھے نسخہ کا علم تھا اس کا اظہار کیا گیا تھا پھر اس پر اتنی برہمی کے کیا معنی ؟ یہی شوشہ اگر سامنے آجاتا وہی لمبی لکیر بن سکتا تھا۔ اتنی لمبی کہ شیطان کی آنت بھی اس سے چھوٹی ہو۔ بڑھاپے میں دماغی توازن صحیح نہیں رہا ہے۔ مزاج میں تندی اور غصّہ سے آگے بڑھ کر اسی کو "نفسانیت" کا ثبوت بھی قرار دیا جا سکتا تھا بلکہ دین کی آڑ لیکر سلطان جی چاہتے تو "اسوۂ حسنہ نبویہ" کے معیار پر شیخ کبیر کے اس طرزِ عمل کو کھوٹا بتا کر لوگوں کو دکھا سکتے تھے لیکن ظاہر ہے وہ اپنا علاج کرانے کے لئے آئے تھے۔ شیخ کبیر کی کمزوریوں کا علاج اجودھن آنے سے مقصود نہ تھا۔ اس کو طے کر چکے تھے کہ یہ معالج طبیب ہے۔ اس کے بعد تنقید کا حق ان کے لئے باقی ہی کب رہا تھا[1]"

ایک رفیق کی ملامت

خواجہ فرماتے ہیں کہ میں شیخ کبیر کی خدمت میں اجودھن حاضر تھا ایک عالم بھی جو میرے دوست اور ہم درس تھے اور ہم دونوں ایک ساتھ مذاکرہ کرتے تھے اجودھن آئے۔ انھوں نے جب مجھے پھٹے پرانے

---

[1] "ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت" ج ۲ (ص ۹۴-۹۵)

marfat.com

کپڑوں میں دیکھا تو بڑی حیرت و تاسف سے مجھ سے کہا "مولانا نظام الدین تم نے اپنا کیا حال بنا لیا ہے۔ اگر تم شہر میں درس و تدریس کی خدمت میں مشغول رہتے تو مجتہد زمانہ ہوتے اور بڑی شان و شوکت سے رہتے"۔ میں نے اپنے دوست کی یہ بات سنی اور ان سے معذرت کر دی۔ اس کے بعد جب میں شیخ کبیر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو انھوں نے خود بخود فرمایا کہ نظام! اگر تمہارا کوئی دوست تمھیں ملے اور تم سے کہے کہ تم نے اپنا کیا حال بنا لیا ہے۔ اور تعلیم و تعلم کا وہ سلسلہ کیوں چھوڑ دیا۔ جو فارغ البالی اور خوشحالی کا ذریعہ بنتا اور یہاں اس حال میں کیوں ہو تو تم اس کا کیا جواب دو گے؟ میں نے عرض کیا کہ جو ارشاد عالی ہو وہی کہہ دوں گا۔ فرمایا اگر کبھی کوئی ایسا سوال کرے تو یہ شعر پڑھ دینا۔ ؎

نہ ہمرہی تو مرا راہ خویش گیر د برو :: ترا سلامتی باد مرا نگونساری

اس کے بعد حکم ہوا کہ خانقاہ کے مطبخ سے مختلف قسم کے کھانے ایک خوان میں اپنے سر پر رکھ کر اس رفیق کے پاس لے جاؤ۔ میں نے تعمیل ارشاد کی۔ میرے دوست نے جب یہ منظر دیکھا تو روتا ہوا دوڑا اور میرے سر سے خوان اتارا اور کہنے لگا کہ تم نے یہ کیا کیا؟ میں نے سارا قصہ سنایا اس نے یہ سن کر کہا کہ تمہارے شیخ ایسے ہیں کہ انھوں نے تم کو بے نفسی کے اس مقام پر پہونچا دیا ہے۔ مجھے بھی ان کی خدمت میں لے چلو جب وہ کھانے سے فارغ ہوتے تو اپنے ملازم سے کہا کہ یہ خوان

محبوب الٰہی-۳

اٹھاؤ اور ہمارے ساتھ چلو، میں نے کہا کہ نہیں جیسے میں یہ خوان اپنے سر پر رکھ کر لایا ہوں ویسے ہی سر پر رکھ کر لے جاؤں گا غرض ہم دونوں خدمت بابرکت میں پہونچے اور ہمارے دوست نے حضرت کے ہاتھ پر بیعت و توبہ کی اور آپ کے حلقۂ خدام میں داخل ہوئے۔[1]

کتنے بار حاضری ہوئی؟

حضرت خواجہ شیخ کبیرؒ کی زندگی میں تین بار اجودھن حاضر[2] ہوئے۔ پہلی یا کسی اور حاضری میں خلافت سے مشرف ہوئے۔ تذکروں میں اس کی صراحت نہیں ہے۔

شیخ کی نوازشیں

ایک حاضری میں ایک دن ۲۵ جمادی الاولیٰ کو نماز جمعہ[3] کے بعد طلبی ہوئی۔ شیخ کبیر نے اپنا لعاب دہن حضرت خواجہ کے دہن میں ڈالا۔ قرآن مجید

---

[1] سیر الاولیاء ص۲۳۹ و ص۲۴۰ [2] فوائد الفواد (ص۴۲)

[3] یہاں سیر الاولیاء میں سِنَةَ تِسْعٌ وَّسِتِّيْنَ وَسِتَّمِائَةٍ (۶۶۹ھ) یا تو غلط درج ہوگیا ہے اور تِسْعٌ وَخَمْسِيْنَ ۵۹ مراد ہے اس لئے کہ شیخ کبیر کی وفات کا سنہ سیر الاولیاء وغیرہ میں ۶۶۴ھ ہے۔ یا پھر تسلیم کیا جائے کہ آپ کا سنہ وفات ۶۷۰ھ ہے جیسا کہ خزینۃ الاصفیاء میں بحوالہ مخزن الواصلین وتذکرۃ العاشقین درج ہے۔ بہرحال سیر الاولیاء کے سنین میں تضاد ہے۔ ۱۲

marfat.com

کے حفظ کی وصیت فرمائی۔ فرمایا کہ خدا نے دین و دنیا تم کو دی۔ یہاں سب کچھ یہی ہے۔ دہلی کی طرف روانہ کیا اور فرمایا: "برو ملکِ ہندگیر" نَظْرَةٌ مِّنْكَ تَكْفِيْنِيْ

رخصت اور وصیت

فرمایا کہ دہلی جانا تو مجاہدہ میں مشغول رہنا، بیکار رہنا کچھ نہیں (نفلی) روزہ رکھنا نصف راہ ہے۔ دوسرے اعمال نماز درج (نفلی) نصف راہ۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ خلافت نامہ لکھ کر دیا اور ہدایت کی کہ مولانا جمال الدین کو ہانسی میں اور قاضی منتجب کو دہلی میں دکھا دینا۔ ارشاد ہوا کہ تم ایک سایہ دار درخت ہو گے جس کے سایہ میں اللہ کی مخلوق آرام پائے گی۔ استعداد کی ترقی کے لئے مجاہدہ کرتے رہنا۔

حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ واپسی میں میں نے ہانسی میں شیخ جمال الدینؒ کو خلافت نامہ دکھایا۔ بڑا اظہار مسرت کیا اور یہ شعر پڑھا۔

خدائے جہاں را ہزاراں سپاس — کہ گوہر سپردہ بگوہر شناس[۲]

ایک دعا کی درخواست

اسی حاضری میں یکم شعبان کو حضرت خواجہ کی طرف

---

[۱] سیر الاولیاء (ص۲۳۳)، [۲] ایضاً ص۱۱۶ و ص۱۱۷ اس موقع پر سیر الاولیاء میں جو ۶۶۹ھ پھر دیا گیا ہے اس کے متعلق اوپر گفتگو ہو چکی ہے۔ ۱۲

marfat.com

سے شیخ کبیر کی خدمت میں اس دعا کی درخواست پیش کی گئی کہ خلق کے در بدر نہ پھرنا پڑے۔ درخواست قبول ہوئی اور دعا فرمائی گئی۔[1]

ایک موقع پر فرمایا گیا کہ میں نے اللہ سے تمہارے لئے تھوڑی سی دنیا بھی مانگ لی ہے۔ خواجہ فرماتے ہیں کہ میں یہ سن کر متفکر ہوا کہ بڑے بڑے لوگ دنیا کے سبب سے فتنہ میں پڑ گئے۔ میرا کیا حال ہوگا۔ شیخ نے فوراً ہی فرمایا کہ تم فتنہ میں نہیں پڑو گے خاطر جمع رکھو۔ اب مجھے اطمینان ہوا۔[2]

اجودھن سے دہلی کو

خواجہ نظام الدینؒ اب اپنے مرشد و مربیّ سے رخصت ہو کر ہندوستان کی تسخیر روحانی و خلق خدا کے ارشاد و تربیت اور تبلیغ و ہدایت کی عظیم و مقدس مہم پر روانہ ہوتے۔ یہ ایک فقیر بے نوا تھا جو ہندوستان بلکہ ساتویں صدی ہجری کے عالم اسلامی کی سب سے مستحکم اسلامی سلطنت کے دارالسلطنت کو جا رہا تھا۔ اس کے پاس اخلاص، اعتماد علی اللہ اور استغنا عن الخلق کے سوا کوئی زادِ راہ اور کوئی ہتھیار و سلاح نہ تھا۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے خوب لکھا ہے۔

> ہندگیری کی مہم پر اجودھن سے ہند کے دارالسلطنت دہلی کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ جہاں نیچے سے اوپر تک بے شمار

---

[1] سیر الاولیا۔ (ص ۱۲۳) [2] ایضاً (ص ۱۳۲)

marfat.com

جھوٹے الٰہہ پر اجمائے بیٹھے ہیں۔ ان میں وہ بھی ہے جس کی زبان کی معمولی حرکت لوگوں کے تن سے سَر جُدا کر دیتی ہے۔ وہ بھی ہیں جن کی نیازمندی خاک سے اٹھا کر لوگوں کو امارت و دولت کے افلاک تک پہونچا رہی ہے۔ گلی گلی میں عزت تقسیم ہو رہی ہے۔ مناصب بٹ رہے ہیں۔ روپئے لٹائے جا رہے ہیں۔ گودیں بھر رہی ہیں اور جن جن ذرائع سے یہ ساری چیزیں حاصل ہوتی ہیں سلطان المشائخ سب سے لیس ہیں۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ اجودھن جانے سے پہلے دہلی کی علمی محفلوں کی محفل شکنی میں ان کی عام شہرت ہو چکی ہے۔ کچھ نہیں تو قضا کے عہدے سے لیکر شیخ الاسلامی و صدر جہانی کی خدمات تک کی ساری راہیں اپنے سامنے کھلی پا رہے ہیں۔ لیکن اب خالق کی صورت میں جو الٰہ ان کو مل چکا تھا بینہ اسی کے وزن سے اتنا معمور تھا کہ کسی مخلوق کی کوئی گنجائش ان کے قلب میں باقی نہ تھی۔ قلب کی اسی کیفیت کی تعبیر تھی جس کا اظہار وہی کبھی کبھی ان مشہور تیز الفاظ میں فرمایا کرتے تھے :۔

ایمان کس تمام نہ شود تا ہمہ خلق
در نزدیکی او ہم چو پشک شتر نہ نماید[1]

---

[1] سیر الاولیاء ص ۵۵

marfat.com

مجلس مبارک میں دمشق کے ایک شخص کا ذکر ہو رہا تھا جو شیخ الاسلامی کی خدمت کے لئے ساری ساری رات نماز پڑھتا تھا۔ اپنی انھیں نمازوں کو نگاہ خلق میں حصول عزت کا ذریعہ بنا رہا تھا۔ جامع ملفوظات راوی ہیں کہ

دریں میاں خواجہ ذکر اللہ بالخیر چشم پُر آب کرد و بر لب مبارک راند بسوز اول شیخ الاسلامی را، پس خانقاہ را بعد ازاں خود را۔[1]

یہ سن کر حضرت خواجہؒ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا کہ پہلے شیخ الاسلامی کو جلاؤ، پھر آگ لگاؤ خانقاہ کو، پھر اپنی خودی کو جلا کر خاک کر دو۔

الغرض اس شان کے ساتھ سب کچھ جلا کر بھسم کر کے وہ اجودھن سے روانہ ہوئے ..... اور جس علاقہ کی ولایت آپ کے سپرد ہوئی تھی اسی کے پایۂ تخت میں آپ پہونچ گئے۔[2]

تصفیۂ حقوق

شیخ کبیرؒ نے ارادت و خلافت کے ساتھ کئی بار یہ تاکید کی تھی کہ مخالفین کو خوش کرنے کی پوری کوشش کرنا، اور اہل حقوق کو راضی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرنا۔ خواجہ فرماتے ہیں کہ میں جب دہلی چلا تو مجھے یاد آیا مجھے

---

[1] فوائد الفوائد (ص۲۳)

[2] ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت (ص۱۵) مولانا مناظر احسن گیلانی

marfat.com

۲۰ جیتل[1] ایک شخص کے دینے ہیں۔ اور ایک کتاب میں نے کسی سے مستعار لی تھی وہ کھوگئی ہے۔ میں نے بدایوں کے قیام میں یہ عزم کرلیا تھا کہ میں جب دہلی پہونچوں گا تو ان اہل معاملہ کو راضی کرنے کی کوشش کروں گا۔ جب میں اجودھن سے دہلی واپس آیا تو جس شخص کے بیس جیتل مجھے دینے تھے وہ بزاز تھا۔ میں نے اس سے کپڑا خریدا تھا۔ کسی وقت میرے پاس بیس جیتل جمع نہیں ہوتے کہ میں اس کو پہونچا دیتا۔ معاش کی بڑی تنگی تھی۔ کبھی پانچ جیتل ہاتھ آتے کبھی دس۔ ایک مرتبہ دس جیتل ملے میں اس بزاز کے دروازہ پر پہونچا۔ اس کو آواز دی وہ باہر آیا تو میں نے اس سے کہا کہ تمہارے بیس جیتل میرے ذمہ ہیں ایک مرتبہ تو مجھے دینے کی مقدرت نہیں یہ دس جیتل لایا ہوں اس کو لے لو، دس انشاء اللہ اس کے بعد پہونچادوں گا۔ اس شخص نے یہ سن کر کہا کہ ہاں معلوم ہوتا ہے کہ تم مسلمانوں کے پاس سے آرہے ہو۔ اس نے وہ دس جیتل تو لے لیئے اور کہا کہ میں نے دس جیتل معاف کیئے۔

اس کے بعد میں اس شخص کے پاس گیا جس کی کتاب میں نے لی تھی۔ اس نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں نے کہا کہ صاحب میں نے آپ سے ایک کتاب مستعار لی تھی وہ کھوگئی۔ اب میں اس کی نقل تیار کرکے آپ کو دونگا

---

[1] جیتل یا جیتل تانبہ کا ایک سکہ تھا۔ تنکہ کے (روپیہ) چونسٹھ جیتل اور ایک جیتل کے چار فلوس یعنی دھیلے تھے۔ (تاریخ ہند)

marfat.com

میں بالکل اسی طرح لکھوا کر آپ کو پہونچا دوں گا۔ اس شخص نے کہا کہ ہاں تم جہاں سے آرہے ہو وہاں کا یہی نتیجہ ہونا چاہیئے۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ میں نے وہ کتاب تم کو بخشی[1]

دہلی کی قیام گاہیں

خواجہ صاحبؒ اہل دہلی بلکہ اہلِ ہند کی خدمت کے لئے جب دہلی پہونچے تو باوجود اس کے کہ دہلی کا کوچہ کوچہ محلوں اور ایوانوں سے آباد تھا اور روز نئی نئی عمارتیں بن رہی تھیں۔ خواجہ صاحبؒ کے قیام کا کوئی ٹھکانا نہ تھا جب تک کہ غیاث پور کا قیام اختیار نہیں فرمایا۔ آپ نے اتنی قیام گاہیں اختیار کیں اور اتنے مقامات تبدیل کئے کہ معلوم ہوتا ہے کہ شہر میں اس فقیر کیلئے اپنا درویشانہ سامان رکھنے اور اپنا بوریا بچھانے کے لئے جگہ نہیں تھی۔ سیر الاولیاء کے مصنف میر خورد اپنے والد سیّد مبارک محمد کرمانی کی زبانی جو حضرت خواجہؒ کے دوست اور رفیق تھے۔ اس نقل مکانی کی تفصیل بیان کرتے ہیں جو ناظرین کی عبرت کے لئے یہاں نقل کی جاتی ہے۔

سیّد مبارک محمد کرمانیؒ فرماتے ہیں۔

جتنے سال سلطان المشائخ شہر دہلی میں رہے کوئی مکان آپ کی ملکیت میں نہ تھا۔ اور ساری عمر آپ نے کوئی جگہ اپنے اختیار سے انتخاب نہیں فرمائی۔ جب آپ بدایوں سے آئے تو

---

[1] فوائد الفواد (ص۱۴۱)

marfat.com

سرائے میاں بازار میں جس کو نمک کی سرائے بھی کہتے ہیں اترے۔
والدہ اور ہمشیرہ کو وہیں رکھا اور خود ایک قواس دکمان گر)
کی بارگاہ میں جو سرائے مذکور کے سامنے تھی مقیم ہوتے۔ امیر
خسروؒ کا بھی اسی محلّہ میں مکان تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد راوت
عرض کا مکان خالی ہوا۔ اس کے لڑکے علاقوں میں چلے گئے
امیر خسرو کی معرفت جو راوت عرض کے نواسے تھے سلطان
المشائخ کو یہ مکان قیام کیلئے مل گیا۔ آپ دو سال اس مکان
میں رہے۔ یہ مکان شہر پناہ کے متصل مندر دروازہ ومندھ
پل کے نزدیک تھا اس طرح سے کہ شہر پناہ کا بُرج اس
عمارت کے اندر آ گیا تھا۔ مکان کے ایوان ورداق بڑے
بلند اور شاندار تھے۔ اس عرصہ میں راوت عرض کے لڑکے
آ گئے۔ سلطان المشائخ کو اس مکان سے منتقل ہو جانا پڑا۔
آپ کی کتابیں جن کے سوا اور کوئی سامان نہ تھا ہم سروں
پر رکھ کر چھپّر والی مسجد میں (جو سراج بقّال کے سامنے تھی)
لے آئے۔ دوسرے روز سعد کاغذی نے جو شیخ صدرالدین
کے مریدین میں تھے یہ قصّہ سنا اور سلطان المشائخ کے پاس
آ کر بڑی عزت وتوقیر اور خوشامد سے اپنے مکان پر لے
گیا۔ بالاخانہ پر ایک بہت اچھی بارگاہ بنی ہوئی تھی۔ وہاں
آپ کو ٹھہرایا۔ سلطان المشائخ ایک مہینے وہاں ٹھہرے۔ اس

marfat.com

کے بعد وہاں سے بھی اٹھے۔ رکابدار کی سرائے میں جو قیصر پُل کے متصل تھی۔ سرائے کے درمیان ایک مکان تھا وہاں مقیم ہوئے ایک مدت کے بعد وہاں سے بھی منتقل ہو کر شادی گلابی کے مکان میں جو محمد میوہ فروش کی دو کانوں کے درمیان واقع تھا قیام اختیار کیا۔ اس درمیان میں شمس الدین شراب[ل] دار کے لڑکے اور اعزہ جو آپ کے معتقد تھے آپ کو بڑی عزت اور احترام کے ساتھ شمس الدین شراب دار کے مکان میں لے آئے۔ کئی سال سلطان المشائخ اس مکان میں رہے۔ اس مکان میں بڑی راحت اور سکون خاطر میسر آیا[ل]۔

فقر و فاقہ

خواجہ صاحب دہلی تشریف لائے تو ابتلا و تربیت[ل] کا وہ دور شروع ہوا جو اس راہ کے سالکوں کو جو آگے چل کر مرجع خلائق و سرچشمۂ فیوض بنتے ہیں عادتاً پیش آیا کرتا ہے یہ وہ وقت تھا کہ سارے ہندوستان کی دولت اور زر و جواہر دہلی امنڈ کر آرہے تھے اور ارزانی کا یہ عالم تھا کہ ایک جیتل میں دو سیر میدے کی پکی پکائی روٹیاں مل جاتی تھیں اور دو جیتل میں ایک من خربوزہ آجاتا تھا۔ لیکن خواجہ صاحب کے فقر و فاقہ کا یہ حال تھا کہ فرماتے

لہ بادشاہ کو پانی پلانے کا عہدہ۔ ۱۲

ٔه سیر الاولیاء (ص۱۱۳)

marfat.com

ہیں کہ میرے پاس ایک دانگ بھی نہ ہوتا کہ اس سے میں روٹیاں خرید کر خود کھاؤں اور والدہ و ہمشیرہ اور گھر کے ان لوگوں کو کھلاؤں جو میری کفالت میں تھے۔ خربوزہ کی اس ارزانی و فراوانی کے باوجود پوری پوری فصل گزر جاتی اور خربوزہ چکھنا نہ نصیب ہوتا لیکن اپنے اس حال میں خوش رہتا اور آرزو کرتا کہ جتنی فصل باقی ہے وہ بھی گذر جائے اور میں اسی حال میں رہوں۔[1]

غیر کے واسطہ کے بغیر

اسی زمانہ میں جب کہ آپ شہر پناہ کے اس برج میں مقیم تھے جو مندہ دروازہ کے متصل ہے۔ کئی روز گزر گئے اور کھانے کو کوئی چیز میسّر نہیں آئی۔ ایک طالب علم کو اس کا علم تھا کہ کئی روز سے حضرت کو فاقہ ہے۔ اس طالب علم نے بعض ہمسایوں کو جو نوربافت تھے اس کی اطلاع کی۔ وہ کھانا تیار کر کے لائے۔ کھانے کے لئے ہاتھ دھلاتے وقت کھانا لانے والوں میں سے ایک بولا خدا طالب علم کا بھلا کرے کہ اس نے ہمیں خبر کر دی۔ خواجہ نے ہاتھ روک لئے اور فرمایا۔ کیا خبر کی؟ اس نے کہا کہ فلاں طالب علم نے ہمیں بتلایا کہ آپ کئی روز سے فاقہ سے ہیں۔ چنانچہ ہم یہ کھانا تیار کر کے لائے۔ آپ نے فرمایا معاف رکھو۔ کتنے ہی ان لوگوں نے کوشش کی۔ آپ نے کھانا قبول نہیں کیا۔[2]

---

[1] سیر الاولیاء (ص ۱۱۳) [2] جوامع الکلم (ملفوظات حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز) ص ۲۹۶

marfat.com

شیخ کبیرؒ کی وفات

آخری بار آپ شیخ کبیرؒ کی خدمت میں تین چار مہینے قبل گئے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ۵ محرم[1] کو شیخ کبیرؒ نے وفات پائی اور شوال کے مہینہ میں مجھے حضرت نے دہلی بھیج دیا۔ بیماری کی ابتداء ہو چکی تھی۔ رمضان کا مہینہ تھا اور آپ بیماری کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ رہے تھے۔ ایک روز کہیں سے خربوزہ آیا تھا۔ خربوزہ کاٹ کر میں نے شیخ کے سامنے رکھا۔ شیخ نے تناول فرمایا اور ایک قاش مجھے عنایت فرمائی۔ میرے دل میں آیا کہ یہ دولت اب کب ملے گی کہ اپنے دست مبارک سے مجھے عنایت فرما رہے ہیں۔ میں کھالوں اور دو مہینے مسلسل روزے رکھ کر (فرض روزہ توڑ دینے) کا کفارہ ادا کر دوں گا۔ فرمایا کہ نہیں نہیں میرے لئے تو شریعت کی اجازت ہے تمہارے لئے جائز نہیں[2]۔

فرمایا کہ انتقال کے وقت مجھے یاد فرمایا اور فرمایا کہ نظام الدین تو دہلی میں ہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ میں بھی اپنے شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی رحلت کے وقت حاضر نہ تھا۔ ہانسی میں تھا۔ فوائد الفواد میں ہے کہ یہ تذکرہ کرتے وقت آپ پر ایسا گریہ طاری ہوا کہ تمام حاضرین کے دل متاثر ہوئے[3]۔ وفات کے بعد آپ اجودھن حاضر ہوئے۔ مولانا بدرالدین اسحٰق

۱؎ ۶۶۴ھ ۲؎ فوائد الفواد (ص۵۳)

۳؎ فوائد الفواد (ص۵۳)

marfat.com

نے شیخ کبیرؒ کی وصیت کے مطابق جامہ، مصلّے اور عصا سپرد کیا جو حضرت خواجہ کو دینے کے لئے شیخ کبیرؒ نے مولانا کے حوالہ کیا تھا۔[1]

غیاث پور کا قیام

فوائد الفواد میں ہے کہ ایک روز آپ نے شہر کے شور و شر کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا کہ ابتدائی زمانہ میں بھی میرا شہر میں دل نہیں لگتا تھا۔ ایک روز قتلغ خاں کے حوض پر تھا۔ ان دنوں میں قرآن مجید یاد کر رہا تھا۔ وہاں ایک درویش یادِ خدا میں مشغول تھا۔ میں اس کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کہ آپ اسی شہر کے رہنے والے ہیں؟ انھوں نے کہا۔ ہاں! میں نے کہا اپنی مرضی سے اس شہر میں رہتے ہیں؟ اس نے کہا۔ یہ بات تو نہیں ہے اس کے بعد اس درویش نے واقعہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں نے ایک اچھے درویش کو دیکھا۔ بیرون کمال دروازہ، اس احاطہ میں جو لب خندق ہے اس دروازہ کے قریب ایک بلند زمین ہے جس پر شہداء کی چار دیواری بنی ہوئی ہے وہ درویش بیٹھا ہوا ہے۔ اس درویش نے مجھ سے کہا کہ اگر ایمان کی خیر چاہتے ہو تو اس شہر سے چلے جاؤ۔ میں نے اسی وقت سے اس شہر سے چلے جانے کا مصمم ارادہ کر لیا لیکن موانع پیدا ہوتے رہے۔ آج پچیس سال ہو گئے کہ میرا ارادہ باقی ہے۔ لیکن جانے کی نوبت نہیں آتی حضرت خواجہ نے یہ حکایت بیان کر کے فرمایا کہ میں نے جب اس درویش کی یہ

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۲۲

marfat.com

بات سنی تو اپنے دل میں یہ طے کر لیا کہ میں اس شہر میں نہ رہوں گا۔ کئی جگہ کا خیال آتا تھا کہ میں وہاں چلا جاؤں کبھی دل میں آتا تھا کہ قصبہ پٹیالی[1] چلا جاؤں۔ وہاں ان دنوں ایک ترک تھا۔ کبھی دل کرتا تھا کہ بشنالہ چلا جاؤں وہ ایک پاک صاف جگہ ہے چنانچہ بشنالہ چلا گیا۔ تین روز وہاں رہا۔ کوئی مکان نہیں ملا۔ نہ کرایہ کا نہ بقیمت۔ ان تین دنوں روزانہ کسی ایک کا مہمان رہتا تھا۔ جب وہاں سے واپس آیا تو یہی خیال لگا رہا کہ ایک روز حوضِ رانی کی طرف گیا ہوا تھا۔ وہاں ایک باغ ہیں جس کو "باغِ حیرت" کہتے ہیں۔ اللہ سے مناجات کی۔ طبیعت متوجہ تھی۔ میں نے عرض کیا کہ خداوندا! میں اس شہر سے چلا جانا چاہتا ہوں۔ لیکن کوئی جگہ اپنی مرضی سے اختیار نہیں کروں گا۔ جہاں آپ کی مرضی ہو وہاں چلا جانا چاہتا ہوں۔ اس درمیان میں ایک غیبی آواز "غیاث پور" کے نام کی آئی۔ میں نے کبھی غیاث پور دیکھا نہیں تھا۔ اور یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ غیاث پور کہاں ہے۔ میں نے جب آواز سنی تو ایک دوست کے پاس گیا وہ دوست ایک نیشاپوری نقیب تھا۔ جب میں اس کے گھر گیا اور اس کو دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ غیاث پور گیا ہوا ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہی غیاث پور ہے الغرض غیاث پور آیا۔ اس وقت تک یہ مقام ایسا آباد نہیں تھا۔ ایک غیر معروف

---

[1] ضلع انبالہ میں ایک قصبہ ہے امیر خسرو کا ننہال یہیں تھا اور اسی تقریب سے وہ وہاں رہتے تھے۔ ۱۲

marfat.com

جگہ تھی۔ آدمی بھی کم تھے۔ میں آیا اور میں نے وہاں سکونت اختیار کر لی۔ جب کیقبادؒ نے کیلوکھری کو اپنی فرودگاہ بنایا تو وہاں ہجوم خلائق ہوا۔ امراء اور اعیانِ سلطنت اور ان کے متعلقین کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ جب میں نے یہ اژدحام دیکھا تو اپنے دل میں کہا کہ اب یہاں سے بھی چلا جانا چاہیئے۔ اسی خیال میں تھا کہ ایک بزرگ کا جو میرے استاد بھی تھے شہر میں انتقال ہوا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ کل جب میں ان کے فاتحہ میں جاؤں گا تو پھر کسی طرف کا قصد کروں گا۔ اپنے دل میں اس کو طے کر لیا اسی روز نمازِ عصر کے وقت ایک جوان آیا حسین لیکن نحیف، خدا جانے مردانِ غیب میں سے تھا یا کون تھا۔ اس نے آتے ہی مجھے خطاب کر کے یہ شعر پڑھا۔ ؎

آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی
کہ انگشت نمائے جہاں خواہی شد

۱؎ سلطان معز الدین کیقبادؒ (۶۸۶ھ ۶۸۸ھ) بغرا خاں کا لڑکا اور غیاث الدین بلبن کا پوتا تھا۔ ۳ سال حکومت کی۔ ۱۲

۲؎ سر سید احمد خاں آثار الصنادید میں لکھتے ہیں۔ معز الدین کیقباد نے ۶۸۶ھ میں ایک قلعہ بنوایا اور کیلوکھری اس کا نام رکھا اگرچہ اس قلعہ کا اب نشان نہیں لیکن اسی جگہ ہمایوں کے مقبرے کے پاس موضع کیلوکھری موجود ہے اور دس پانچ جھونپڑے موجود رہیں۔ ۱۲ (آثار الصنادید باب ۴، ص ۲۰)

marfat.com

(جس روز خدا نے تم کو چاند بنایا تھا۔ اسی روز سمجھنا چاہیئے تھا کہ ساری دنیا کی انگلیاں تمہاری طرف اٹھیں گی)

حضرت خواجہ نے فرمایا کہ اس نے کچھ اور باتیں کہیں جس کو میں نے لکھ لیا ہے۔ اس کے بعد اس نے یہ کہا کہ پہلی مرتبہ آدمی کو مشہور نہیں ہونا چاہیئے۔ اور جب کوئی شخص مشہور ہو جائے تو پھر ایسا بننا چاہیئے کہ کل روز قیامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

اس کے بعد اس نے کہا کہ یہ کیا ہمت و حوصلہ ہے کہ خلق خدا سے بھاگ کر گوشہ گیری اختیار کی جائے۔ اور یاد خدا میں مشغول ہوا جائے۔ اس کا مقصود یہ تھا کہ قوت و حوصلہ کی بات تو یہ ہے کہ مخلوق کے باوجود یاد خدا میں مشغول ہو۔ جب اس نے اپنی بات ختم کی تو میں نے کچھ کھانا لا کر اس کے سامنے رکھا۔ اس نے ہاتھ نہیں بڑھایا۔ اسی وقت میں نے اپنے دل میں نیت کی کہ میں یہیں رہوں گا۔ جب میں نے یہ نیت کر لی تو اس نے تھوڑا سا کھانا کھایا اور چلا گیا۔[1]

رجوع عام

غیاث پور کے دورانِ قیام میں خلق خدا اور طالبین کا رجوع شروع ہوا، اور فتوحات کا دروازہ کھل گیا۔

تذکروں سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ غیاث پور میں کتنی مدت گزرنے

---

[1] سیر الاولیاء، ص ۱۲۹

marfat.com

کے بعد آپ کی ذات بابرکات کو مرجعیت اور غیاث پور کی خانقاہ کو شہرتِ عام حاصل ہوئی۔ اتنا پتہ چلتا ہے کہ غیاث پور کا قیام اختیار کرنے کے بعد بھی ایک عرصہ تک عسرت اور بے اسبابی کا دور گزرا یہاں تک کہ ایک عرصہ تک آپ سخت گرمیوں اور لُو دھوپ کے زمانہ میں جامع مسجد کو جو خاصہ فاصلہ پر تھی جمعہ کے دن پیادہ پا تشریف لیجاتے تھے یہاں تک کہ اس "عُسر" کے بعد "یُسر" کا دور آگیا[1]۔ اور وہ رجوع عام شروع ہوا کہ اس کے سامنے سلاطینِ دہلی کے درباروں کی عظمت ماند پڑ گئی۔ امیر خسروؒ کے ان اشعار کی تصویر سامنے آگئی۔ ؎

در حجرۂ فقر بادشاہی　　در عالم دل جہاں پناہی
شاہنشہے بے سریر و بے تاج　　شاہانش بہ خاک پائے محتاج

نقیر منعم صاحب سیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ وارد و صادر میں سے پردیسی ہو یا شہری جو آتا اور سعادت قدمبوسی حاصل کرتا کسی کو محروم نہ فرماتے، پوشاک، نقد، تحائف جو بھی خدا بھیجتا سب ہی ان آنے جانے والوں پر صرف ہوتا۔ جو بھی آتا اور جس وقت بھی آتا محروم نہ جاتا[2]۔

---

[1] اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا۔ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا بے شک دشواری کے ساتھ آسانی ہے۔ بے شک دشواری کے ساتھ آسانی ہے۔ ۱۲

[2] سیر الاولیاء

marfat.com

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ نے فرمایا۔
فتوحات کا یہ حال تھا کہ دولت کا دریا آگے دروازے کے بہتا تھا۔ کوئی دن فتوحات سے خالی نہ ہوتا۔ صبح سے شام تک لوگ آتے بلکہ عشاء تک۔ مگر لینے والے لانے والوں سے زیادہ ہوا کرتے اور جو کچھ کوئی لاتا اس سے زیادہ حضرتؒ کی عنایت سے پاتا[1]۔

بیداری پر پہلا سوال

عادت مبارک تھی کہ جب قیلولہ سے اٹھتے تو دو باتیں سب سے پہلے پوچھتے۔ ایک یہ کہ زوال ہو گیا۔ دوسرے یہ کہ کوئی آیا تو نہیں، تاکہ اس کو انتظار نہ کرنا پڑے[2]۔

دنیا سے تنفّر اور بذل و عطا

دنیا کا جس قدر رجوع بڑھتا گیا اتنی طبیعت اس سے متنفّر ہوتی گئی۔ اکثر گریہ فرماتے۔ جتنی بڑی فتوحات ہوتیں اتنا ہی زیادہ گریہ کرتے اور اتنی ہی زیادہ کوشش فرماتے کہ جو کچھ آیا ہے جلد تقسیم ہو جائے۔ تھوڑی دیر کے بعد آدمی کو بھیج کر ہدایت فرماتے کہ

---

[1] سراج المجالس (ترجمہ خیر المجالس)، ملفوظات حضرت خواجہ نصیر الدّین چراغ دہلویؒ (ص ۲۰۲)
[2] سیر الاولیاء (ص ۱۲۶)۔

marfat.com

جو کچھ ہو تقسیم کر دیا جاتے۔ جب سب تقسیم ہو جاتا اور ضرورتمندوں کو پہنچ جاتا تو سکون خاطر ہوتا۔ ہر جمعہ کو حجروں اور انبار خانوں کو اس طرح خالی کرا دیتے جیسے جھاڑو دیدی گئی ہو۔ اس کے بعد مسجد جاتے۔ اگر بادشاہوں یا شہزادوں میں سے کوئی آستانہ پر حاضر ہوتا اور ان کی ندر اور آمد آمد کی خبر پہونچتی تو ٹھنڈی سانس بھر کر فرماتے کہ کہاں آتے ہیں فقیر کا وقت غارت کرتے ہیں۔[1]

زمین و جائداد سے پرہیز

امیر حسن علا سنجری فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حاضر تھا۔ ان دنوں میں ایک امیر نے باغ اور بہت سی زمین اور اس کے ساز و سامان کی دستاویز حضرتؒ کی خدمت میں بھیجی تھی اور اپنی عقیدت و اخلاص کا اظہار کیا تھا۔ حضرتؒ نے قبول نہ فرمایا۔ متبسم ہو کر فرمایا کہ اگر میں اس کو قبول کر لوں تو پھر لوگ کہا کریں گے کہ شیخ باغ کی سیر کو گئے ہیں۔ اور اپنی کھیتی اور زمین دیکھنے تشریف لے گئے ہیں۔ میرے کام سے اس کو کیا مناسبت؟ ہمارے بزرگوں اور مشائخ میں سے کسی نے زمین و جائداد قبول نہیں کی۔[2]

فقیر کا شاہی دسترخوان

خود دائم الصوم تھے۔ لیکن دونوں وقت شاہی دسترخوان لگتا اور

---

[1] سیر الاولیاء، ص ۱۲۹
[2] فوائد الفواد ج ا ص ۹۹

marfat.com

انواع واقسام کے وافر مقدار میں چُنے جاتے۔ امیر وغریب، شاہ وگدا شہری و پردیسی، صالح وگناہگار کسی کی تفریق نہ تھی۔ سب ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھاتے۔ لے جانے کی بھی اجازت تھی۔ بعض لوگ کھاتے اور باندھ کر بھی لے جاتے۔ یہ شاہی دسترخوان اپنی نوعیت میں یکتا تھا۔ اسی دسترخوان پر بیٹھ کر سیکڑوں ہزاروں غربا کو وہ کھانے نصیب ہوتے جن کے انھوں نے نام ہی نام سنے تھے۔ بڑے بڑے امرا، دربار اور اعیانِ سلطنت کو بھی اس دسترخوان پر حاضری کی آرزو ہوتی تھی اور اس کھانے کی لذت کو وہ یاد کرتے تھے۔ ہدایت وارشاد اور سلوک وتربیت کے فیض عام کے علاوہ جس کا دروازہ ہر وقت کھُلا رہتا تھا، حضرت خواجہ کا یہ بھی فیض تھا جو دلّی میں اپنی پوری روانی کے ساتھ جاری تھا۔ اور جو ہزاروں بندگانِ خدا کی پرورش کا ذریعہ تھا۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے درویش کے اس خوانِ سلطانی کا ذکر کرتے ہوئے خوب لکھا ہے۔

آج جن چیزوں پر الوان نعمت کے قصّوں کے ساتھ غریبوں کا دکھڑا رویا جاتا ہے۔ گویا یہ بھی ایک قسم کی حدیث المائدہ (ٹیبل ٹاک) اور ہضم کرنے کا چورن ہے۔ ان کو کیا معلوم کہ اسلامی تاریخ میں غریبوں اور امیروں کے درمیان صوفیہ اسلام کی یہی خانقاہیں درمیانی کڑی کا کام دیتی تھیں ان بزرگوں کا دربار وہ دریا تھا جہاں سلاطین بھی خراج

marfat.com

داخل کرتے تھے۔ خود سلطان المشائخ کا کیا حال تھا۔ گزر چکا
کہ ولی عہد سلطنت خضر خاں تک اسی دربار کا حلقہ بگوش تھا
علاء الدین جو سارے ہندوستان کا خراج وصول کرتا تھا لیکن
ایک خزانہ وہ بھی تھا جس میں اسے بھی مالگزاری داخل
کرنی پڑتی تھی[1]۔ ..... یہی خانقاہیں تھیں جن کے
ذریعہ سے ملک کے عام غربا فقرا تک ان کا حصہ پہونچ
جاتا تھا۔ اور یہی مطلب ہے اس مشہور فقرہ کا کہ

"مال صوفی سبیل است[2]"

غربت و امارت کا یہ سنگم یعنی صوفیہ صافیہ کا یہ طبقہ جہاں امراء
وغربا دونوں ایک حیثیت سے حاضر ہوتے تھے۔ اس سے
غریب اور حاجتمند مسلمانوں کی کتنی حاجت روائیاں ہوتی تھیں
واقعہ یہ ہے کہ اسلامی عہد کا کوئی زمانہ اور ان دنوں ہندوستان
کا شاید ہی کوئی صوبہ کوئی علاقہ ایسا ہوگا جہاں...

تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ۔

ان کے دولتمندوں سے لیا جائے اور ان کے ضرورتمندوں کو پہونچا دیا جائے۔

---

[1] نظام تعلیم (ص ۲۱۴)
[2] ایضاً

marfat.com

کے نبوی فرمان کی تعمیل میں ارباب صدق وصفا کا یہ طبقہ مشغول نہ تھا۔ خصوصاً جن بزرگوں کا کسی خاص وجہ سے امراء اور ارباب ثروت پر اثر قائم ہو جاتا تھا۔ یوں سمجھیے کہ غربا کی قسمت جاگ اٹھتی تھی[1]۔ ——— اسلام کے ان اکابر کا حال پڑھیے اور اس پر غور کیجئے۔ آپ کو نظر آئے گا کہ امراء اور غرباء کے درمیان ان بزرگوں کا وجود با جود حلقۂ اتصال بنا ہوا تھا ——— اور میرا خیال ہے کہ ان کی خانقاہوں کے لنگر خانے جہاں اپنے اندر دوسرے اغراض رکھتے تھے ایک بڑا کام ان سے یہ بھی نکلتا تھا کہ ملک کے غریبوں مسلمانوں، بے وسیلوں کی پناہ گاہ یہ خانقاہیں بنی ہوئی تھیں۔ بلکہ ان ہی کے ذریعہ سے غریبوں تک بھی وہ نعمتیں پہنچ جاتی تھیں جن کا نام بھی اس زمانہ کے غریبوں نے شاید نہ سنا ہو[2]۔

شیخ کی غذا

شیخ خود کھانے میں شریک ہوتے لیکن اس شاہی دسترخوان پر جس پر انواع واقسام کے کھانے اور الوانِ نعمت ہوتے۔ ان کی غذا عام طور پر ایک یا آدھی روٹی اور کچھ کریلہ وغیرہ کی سبزی یا تھوڑے سے چاول ہوتے[3]۔

---

[1] نظام تعلیم (ص۲۲)، [2] ایضاً (ص۲۲۵)، [3] سیر الاولیاء ص۱۲۵

marfat.com

آپ کے ایک مریدِ با اختصاص مولانا شمس الدین یحییٰ اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں۔

میں ایک مرتبہ دسترخوان پر موجود تھا افطار کے وقت میری نظر سلطان المشائخ پر تھی۔ میں نے دیکھا کہ کھانا شروع ہونے کے وقت آپ نے لقمہ لینے کیلئے جو ہاتھ پیالہ کی طرف بڑھایا تھا وہ آخر تک وہیں رہا۔ منھ تک آنے کی نوبت نہ آئی کہ دسترخوان بڑھا دیا گیا۔[1]

ترتیب

دسترخوان پر بیٹھنے کا قاعدہ اور ترتیب یہ تھی کہ سب سے آگے مخدوم زادگان (مرشد سے نسبت قرابت رکھنے والے ہوتے) پھر علماء، پھر روساء و اشراف۔[2]

سلاطین عہد سے بے تعلقی

سلسلۂ چشتیہ کی بنیاد سلطنت ہندوستان کی دینی رہنمائی بلکہ سلطنت اسلامی کی تاسیس، اسلامی معاشرہ کی اصلاح اور اس میں روحانیت و انابت کی روح پھونکنے کے ساتھ ساتھ ابتداء ہی سے سلاطین وقت سے بے تعلقی کے اصول پر پڑی تھی اور یہ اس سلسلہ کا ایک شعار اور مشائخ چشتیہ کا مقدس ترکہ اور امانت بن گئی تھی۔ مشائخ چشت نے اس "شیشہ و آہن" کو جمع کرنے میں اپنا پورا کمال دکھایا

---

[1] سیر الاولیاء ص۱۲۵ [2] ایضاً ص۲۰۲

marfat.com

تھا۔ ایک طرف وہ دربار کے غلط رجحانات کی اصلاح اور وقت کے فتنوں کے استیصال سے غافل اور غم اسلام سے خالی اور اس ملک میں مسلمانوں کے مستقبل سے بے فکر نہ تھے۔ دوسری طرف وہ ایک اصول اور عقیدے کے طور پر یہ طے کر چکے تھے کہ ان کو دربار سے براہ راست کوئی تعلق رکھنا نہیں ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے لیکر خواجہ نظام الدینؒ تک یہ گویا ایک طے شدہ حقیقت تھی کہ ان کو نہ دربار میں جانا ہے اور نہ سلاطین وقت سے ملاقات کرنی ہے۔ اس اصول پر یہ سب حضرات سختی سے کاربند رہے۔ اس کا نتیجہ تھا کہ سیاست کے خارزار میں ان کا دامن کبھی نہیں الجھا۔ اور انقلابات سلطنت کا ان کے مرکزوں اور ان کی سرگرمیوں پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ ان کا اخلاص، ان کی بے لوثی اور بے غرضی تمام سیاسی اختلافات کے باوجود مسلّم رہی۔ اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں سب سے طویل عرصہ تک اس سلسلہ کو اپنا کام جاری رکھنے اور ہندوستان پر اثر انداز ہونے کا موقع ملا۔ اور شاید اسی کا نتیجہ تھا کہ اس سلسلہ کو قبول عام اور بقائے دوام حاصل ہوا۔

حضرت شیخ نظام الدینؒ جب سے شیخ کبیرؒ کے پاس سے ہندوستان کی تسخیر روحانی اور تبلیغ وارشاد پر مامور ہو کر آئے تھے دہلی کے تخت پر یکے بعد دیگرے پانچ بادشاہ بیٹھے اور انھوں نے بڑے جاہ و جلال کے ساتھ سلطنت کی لیکن سوائے ایک ایسے موقع کے جبکہ دینی ضرورت

marfat.com

درپیش تھی۔ (سماع کی حلت وحرمت کی مجلسِ مناظرہ) وہ کبھی نہ دربار میں گئے اور نہ کبھی بادشاہِ وقت کو اپنے یہاں آنے کی اجازت دی غیاث الدین بلبن کے عہد سلطنت میں ان کا آفتابِ شہرت وقبولیت نصف النہار پر نہیں پہنچا تھا اس لئے غیاث الدین کو ان کی طرف توجہ نہیں ہوتی معزالدین کیقباد لہو ولعب اور سیر وشکار میں مشغول رہا۔

جلال الدین خلجی پہلا بادشاہ تھا جو صاحب علم وحلم، جوہر شناس اور اربابِ کمال کا قدردان تھا۔ اور حضرت خواجہ کی شہرت بھی اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی۔ جلال الدین نے کتنی بار حاضری کی اجازت چاہی لیکن کبھی منظور نہیں ہوئی۔ آخر سلطان نے امیر خسروؒ کے ساتھ (جو سلطان کے مصحف بردار تھے) یہ منصوبہ بنایا کہ ایک مرتبہ بلا اطلاع حضرت کی خدمت میں حاضر ہو جانا ہے۔ امیر خسروؒ نے مناسب جانا کہ اپنے مرشد کو اس کی اطلاع دیدی جائے۔ اس لئے کہ اگر میں نے اس کی اطلاع نہ دی تو شاید میرے حق میں یہ اچھا نہ ہو۔ اگرچہ بادشاہ نے اس بارے میں امیر خسروؒ کو اپنا رازدار بنایا تھا لیکن اپنے مرشدؒ سے رازداری امیر خسرو کو مناسب نہ معلوم ہوئی۔ امیر نے حضرت خواجہ سے جاکر عرض کیا کہ کل بادشاہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوگا۔ حضرت خواجہ نے یہ سنتے ہی اپنے مرشد کی قبر کی زیارت کی نیت سے اجودھن کا رخ فرمالیا اور روانہ ہوگئے۔ بادشاہ کو جب اس کی اطلاع ملی تو امیر خسروؒ پر ناراض ہوا کہ تم نے میرا راز فاش کر دیا۔ اور حضرت خواجہ کی قدمبوسی کی سعادت

marfat.com

سے محروم کر دیا۔ امیر خسروؒ نے کہا کہ بادشاہ کی رنجش سے جان جانے کا خوف تھا۔ لیکن مرشدؒ کی رنجش سے سلب ایمان کا خوف تھا۔ بادشاہ حلیم و فرزانہ تھا اس نے اس جواب کو پسند کیا اور خاموش ہو گیا۔

سلطان علاء الدین کا امتحان اور عقیدت

سلطان علاء الدین خلجی جو ہندوستان قدیم کا سب سے باجبروت اور اقبالمند بادشاہ اور سکندر ثانی ہے۔ اپنے چچا جلال الدین کے بعد تخت سلطنت پر بیٹھا۔ ابتداء میں اس کو حضرت خواجہؒ سے نہ کوئی خاص عقیدت تھی نہ تنفر تھا بعض لوگوں نے سلطان کو حضرت خواجہؒ کی طرف سے بدگمان کرنے کی کوشش کی اور ان کی مقبولیت اور رجوع عام سے سلطنت کے لئے خطرات ثابت کئے۔ سلطان علاء الدین نے امتحاناً ایک عریضہ آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے اور ولی عہد خضر خاں کے ہاتھ بھیجا۔ جس میں آپ سے انتظام سلطنت کے بارے میں مشورے اور نصائح کی درخواست کی گئی تھی۔ جب خضر خاں یہ خط لیکر خواجہؒ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے وہ کاغذ ہاتھ میں لے لیا اور اس کا مضمون بھی نہیں پڑھا۔ حاضرینِ مجلس سے فرمایا کہ ہم دُعا کرتے ہیں۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ درویشوں کا بادشاہوں سے کیا کام؟ میں ایک فقیر آدمی ہوں۔ شہر کا ایک گوشہ اختیار کر رکھا ہے۔ بادشاہ اور مسلمانوں کے لئے دعاء گوئی میں مشغول ہوں۔ اگر اس وجہ سے بادشاہ کو مجھ سے کچھ تعرض کرنا ہے۔ میں یہاں سے بھی چلا جاتا ہوں۔

marfat.com

اللہ کی زمین وسیع ہے۔ سلطان علاء الدین اس جواب سے بہت خوش ہوا اور کہا کہ میں جانتا تھا کہ حضرت خواجہ کو امورِ سلطنت و سیاست سے کوئی سروکار نہیں لیکن بدخواہ چاہتے ہیں کہ مجھے مردانِ خدا سے لڑا دیں اور اس طرح ملک تباہ ہو جائے[1]۔

بادشاہ کے آنے سے معذرت

سلطان نے حضرت خواجہؒ سے بڑی معذرت کی اور کہلوایا کہ میں آں مخدوم کا معتقد ہوں۔ مجھ سے گستاخی ہوئی معاف کیا جائے اور حاضری کی اجازت دیجائے کہ قدمبوسی کی سعادت حاصل کروں۔ حضرت خواجہ نے ارشاد فرمایا کہ آنے کی حاجت نہیں۔ میں غائبانہ دعا کرتا ہوں۔ اور غائبانہ دعا بڑی موثر ہوتی ہے[2]۔

گھر کے دو دروازے

سلطان نے اس کے بعد بھی ملاقات کے لئے بڑا اصرار کیا حضرت نے فرمایا کہ اس فقیر کے گھر میں دو دروازے ہیں۔ بادشاہ ایک دروازے سے آئے گا میں دوسرے دروازے سے باہر چلا جاؤں گا[3]۔

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۳۴ [2] ایضاً ص ۱۳۵

[3] سیر الاولیاء ص ۱۳۵

marfat.com

غم اسلام

اگرچہ علاء الدّین حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا۔ لیکن اس کو آپ سے برابر عقیدت رہی۔ اور وہ مہمات سلطنت اور فکر و تردد کے موقع پر حضرت خواجہ سے رجوع کرتا رہا۔ ایسے موقع پر وہ آپ سے دُعا کی درخواست کرتا اور آپ اہتمام کے ساتھ دُعا فرماتے۔

قاضی ضیاء الدّین برنی لکھتے ہیں کہ جب ملک نائب (کافور) ورنگل کے محاصرہ میں مشغول تھا۔ تلنگانہ کا راستہ پُرخطر ہو گیا تھا۔ راستہ کے تھانے اور چوکیاں بھی اٹھ گئیں تھیں۔ چالیس روز سے زیادہ ہو گئے تھے کہ لشکر کی سلامتی کی اور خیریت کی اطلاع سلطان تک نہیں پہنچی تھی سلطان کو بڑا تردد تھا۔ اکثر اعیان و امراءِ دربار کا خیال ہونے لگا تھا کہ لشکر کسی حادثہ یا فتنہ کے نذر ہو گیا کہ سلسلۂ رسل و رسائل منقطع ہو گیا ہے۔ اسی فکر و تردد کے ایّام میں ایک روز سلطان نے ملک قرابیگ اور قاضی مغیث الدّین بیانوی کو حضرت خواجہؒ کی خدمت میں بھیجا اور کہلایا کہ لشکر اسلام کی خیریت نہ معلوم ہونے سے مجھے سخت تردد ہے۔ آپ کو اسلام کا غم اور فکر مجھ سے زیادہ ہی ہے۔ اگر نورِ باطن سے آپ کو لشکر کا کوئی حال معلوم ہو تو مجھے مطمئن و مسرور فرمائیں۔ سلطان نے پیغام لے جانے والوں کو ہدایت کی کہ حضرتؒ کی زبان سے اس موقع پر جو کچھ نکلے اس کو محفوظ رکھیں۔ اس میں کوئی کمی بیشی نہ کریں۔ وہ دونوں حضرات شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سلطان کا پیغام پہنچایا۔ آپ نے پیغام

marfat.com

سننے کے بعد بادشاہ کی فتح ونصرت کا حال بیان کرنا شروع کیا اور فرمایا کہ "یہ فتح کیا ہے ہم اور فتوحات کی بھی امید رکھتے ہیں"۔ یہ سنکر ملک قرابیگ اور قاضی مغیث الدین شاداں وفرحاں واپس آئے اور سلطان کو جواب سنایا۔ سلطان یہ جواب سنکر بہت خوش ہوا۔ اس کو یقین ہوگیا کہ ورنگل فتح ہوچکا۔۔۔۔۔۔ اسی روز نماز عصر سے فارغ ہوئے تھے کہ ملک نائب کے قاصد پہنچے اور ورنگل کا فتح نامہ لائے۔ جمعہ کے دن وہ فتح نامہ منبروں پر سے پڑھ کر سنایا گیا۔ صحن میں خوشی کا نقارہ بجا اور خوشیاں منائی گئیں سلطان کا اعتقاد اور بڑھ گیا۔[1]

ایک دوسری مرتبہ جب مغل دہلی پر حملہ آور ہوئے سلطان بنفس نفیس جنگ میں شریک تھا۔ اس نے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں عرض کروایا کہ یہ بڑا اہم موقع ہے۔ آپ متوجہ رہیں۔ حضرت خواجہؒ نے تمام اہل خانقاہ سے ارشاد فرمایا کہ متوجہ الی اللہ رہیں اور خدا سے مسلمانوں کی فتح کی دُعا کریں۔ چنانچہ سب مشغول رہے اور تھوڑے ہی عرصہ میں فتح کی خبر آئی۔ مغلوں نے شکست فاش کھائی۔[2]

قاضی ضیاء الدین سلطان علاء الدین کے اہل دربار میں سے تھے کہتے ہیں کہ اپنے پورے عہد حکومت میں کبھی سلطان کی زبان سے حضرت خواجہؒ کے

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۳۳۴

[2] سیر الاولیاء ص ۱۶۰

marfat.com

بارے میں کوئی خلاف شان بات نہیں نکلی۔ اگرچہ دشمن اور حاسدین شیخ کی شاہانہ دادودہش رجوع خلائق اور شاہی لنگر کو سلطان سے رنگ آمیزی اور ایسے طریقے پر بیان کرتے کہ سلطان بدگمان ہو جائے لیکن سلطان نے کبھی اس کی طرف التفات نہیں کیا اور خاص طور پر اپنے آخر عہد میں اس کو حضرت سے غایت درجہ کا اخلاص و اعتقاد پیدا ہو گیا تھا۔ اس سب کے باوجود کبھی ملاقات کی نوبت نہ آئی۔

سلطان قطب الدین کی مخالفت اور اس کا قتل

سلطان علاء الدین کے بعد اس کا دوسرا بیٹا قطب الدین مبارک شاہ ولی عہد سلطنت خضر خاں کو محروم و مکحول کر کے غاصبانہ تختِ سلطنت پر بیٹھا۔

خضر خاں چونکہ حضرت والا کا مرید تھا اور وہی علاء الدین کا ولی عہد تھا جس سے قطب الدین نے حکومت غصب کی تھی۔ اس لئے قطب الدین حضرتؒ سے بھی ناراض رہتا تھا۔ اس نے اپنی ایک نئی جامع مسجد "جامع میری" کے نام سے بنواتی تھی۔ اور تمام مشائخ و علماء کو حکم تھا کہ اسی میں آکر نماز جمعہ ادا کریں۔ سلطان المشائخ نے کہلا بھیجا کہ "ما مسجد نزدیک داریم و ایں احق است ہمیں جا خواہم گزار" (ہمارے قریب ایک مسجد ہے اس کا حق زیادہ ہے ہم وہیں نماز پڑھیں گے) اور وہ جامع میری نہیں گئے۔

marfat.com

بادشاہ سخت برافروختہ ہوا۔ اسی کے ساتھ ہر نوچندی کو اعیان اور مشاہیر شہر دربار شاہی میں پیش ہو کر نذر گزارتے تھے۔ سلطان المشائخ اس تقریب میں بھی شریک نہیں ہوتے تھے ادائے رسم کے لئے اپنے خادم اقبال کو بھیج دیتے تھے۔ اس سے بھی وہ برہم تھا۔ اس نے اپنے تمام امراء و وزراء کو حکم دیا کہ

"کسے بزیارتِ شیخ غیاث پور نہ رود"

(کوئی شیخ کی زیارت کیلئے غیاث پور نہ جائے)

امیر خسروؒ نے یہ لکھا ہے کہ "بارہا می گفت کہ ہر کہ سر شیخ برد ہزار تنکا اورا دہم" (جو شیخ کا سر لائے گا اس کو ہزار تنکہ دوں گا)
ایک روز شیخ ضیاء الدین رومی کی درگاہ میں سلطان جی اور قطب الدین کا آمنا سامنا بھی ہو گیا۔ سلطان جی نے بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے سلام کیا۔ قطب الدین نے جواب نہ دیا۔ یوں مسلسل واقعات قطب الدین کی حکومت کے چار سالہ مدت میں پیش آتے رہے[1]۔ نوچندی کی حاضری پر اصرار کا قصہ سب سے آخر میں پیش آیا۔ قطب الدین نے بھرے دربار میں اعلان کیا کہ "اگر در غرہ ماہ آئندہ نیا مد بیاریم چنانکہ

---

[1] نظام تعلیم صفحہ ۳۲

کہ دانیم" گویا یہ اس کی دھمکی تھی کہ بزور حکومت دربار میں گھسٹوا کر بلواؤں گا۔ شاید قتل ہی کا ارادہ ہو۔ سلطان جی کو بادشاہ کے اس عزمِ مصمم کی خبر پہنچی۔ سلطان المشائخ ہیچ نگفت۔ اَب مہینہ ایک ایک کر کے ختم ہوتا جا رہا تھا۔ ہر چند ماہ نزدیک رسید التفات مخلصان را روتے بیشتر می داد"۔ (مہینہ جتنا نزدیک آ رہا تھا اہل تعلق کا فکر و تردد بڑھتا جا رہا تھا) چاند مغرب کے بعد دیکھا گیا۔ کل پہلی تاریخ ہے۔ شہر کے اعیان و امراء دربار میں جائیں گے۔ لیکن سلطان المشائخ یہی طے کئے ہوئے ہیں کہ میں نہیں جاؤں گا۔ قطب الدین یہ فیصلہ کئے ہوئے ہے کہ "اگر نیامد بیاریم چنانکہ دانیم" "صرف شب درمیان است" دلّی میں کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ دنیا اور دین کے دو بادشاہوں کا کل معرکہ ہے۔ رات گزرنے بھی نہ پائی کہ "ہم دریں شب ماہ بلائے از آسمان بر جان بادشاہ نازل شد" (اسی شب ماہ میں بادشاہ کی جان پر آفت آسمانی نازل ہوئی) یعنی "خسرو خاں موئے سر سلطان را گرفت و باہم در آویختند پہلوئے سلطان را بہ خنجر شگافتہ بر زمین انداخت و سر آں مشوم را از تن جدا کردہ از بامِ ہزار ستون بزیر افگند" (طباطبائی) خسرو خاں نے بادشاہ کے سر کے بال پکڑے۔ دونوں باہم دست و گریبان ہوئے۔ خسرو خاں نے سلطان کے پہلو کو خنجر سے چیر

marfat.com

کر زمین پر ڈال دیا۔ اور اس شامت زدہ کا سر تن سے
جُدا کر کے بام ہزار ستون سے نیچے زمین پر پھینک دیا۔[1]

---

[1] نظام تعلیم و تربیت ص۲۳۔ سیر الاولیاء میں یہ واقعہ منقول ہے مگر تاریخ و ماہ سنہ درج نہیں ص۱۵۰ و ص۱۵۱ تاریخ فرشتہ جلد اوّل میں بضمن تذکرہ قطب الدین سلطان کے قتل کی تاریخ شب پنجم ربیع الاوّل ۷۲۱ھ مذکور ہے جس کے ساتھ نو چندی کے سلام کی روایت اور چاند رات میں بادشاہ کے قتل کا واقعہ میل نہیں کھاتا (ص۲۲۷) پھر اسی کتاب کے جلد دوم میں جہاں حضرت سلطان المشائخ کا تذکرہ ہے وہاں سلطان کے قتل کی تاریخ ۲۹ شوال لکھی ہے اور سنہ کا تذکرہ نہیں (ص۴۰۷ و ص۴۰۷ جلد ۲) لیکن اس سلسلہ میں سب سے قدیم تر اور قابل اعتماد ماخذ امیر خسروؒ کی مثنوی "تغلق نامہ" ہے۔ جو سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد کی تصنیف اور امیر کی مستند و مشہور مثنوی ہے اس میں انھوں نے نہایت صراحت سے لکھا ہے کہ قطب الدین کا قتل جمادی الثانی ۷۲۰ھ کی عین چاند رات کو واقع ہوا۔ وہ فرماتے ہیں:۔

چوں تاریخ عرب شد ہفصد و بیست — ثبات قطب شد کم جانب زیست
جماد دوئیں را شد پدیدار — ہلال تیرہ و تاریک دیدار
مہ باریک بُود از حالت تلخ — بناخن کردہ خود را پیش ازاں سلخ
شد آں مہ برہمہ گیہاں مبارک — مگر بر طالع سلطان مبارک

تغلق نامہ ص۱۹ طبع حیدرآباد

ان اشعار سے تاریخ کا بھی صحیح تعین ہو گیا اور واقعہ کی نوعیت و اہمیت کی تصدیق ہو گئی۔ ۱۲

ملفوظات نظامی — ۵

غیبی لنگر

اسی زمانہ میں جب سلطان قطب الدین کی طرف سے اس بات کی خاص روک تھام تھی کہ امراء دربار اور اعیان سلطنت کی طرف سے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں کوئی نذر پیشکش نہ ہونے پائے۔ تاکہ دیکھا جائے کہ یہ شاہانہ لنگر خانہ کس طرح چلتا ہے۔ آپ نے خاص طور پر تاکید فرما رکھی تھی کہ اس زمانہ میں کھانا زیادہ پکایا جائے اور دسترخوان وسیع سے وسیع تر کر دیا جائے۔ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ نے فرمایا۔

ایک بار سلطان قطب الدین کو کسی بدخواہ نے کہا کہ شیخ ہماری فتوحات قبول نہیں کرتے۔ اور امراء و سرداروں کی لائی ہوئی فتوحات قبول کرتے ہیں۔ آخر وہ سب بھی تو آپ ہی کے یہاں سے لے جاتے ہیں۔ سلطان قطب الدین نے یہ بات سچ جان کر حکم کیا کہ کوئی امیر یا سردار شیخ کے یہاں نہ جائے۔ دیکھو وہ اس قدر دعوت لوگوں کی کہاں سے کرتے ہیں۔ اور جاسوس مقرر کئے کہ دیکھتے رہیں جو امیر وہاں جاوے مجھے آکر اطلاع کریں۔ جناب شیخ نے جب یہ سنا فرمایا۔ کھانا آج سے زیادہ پکایا جاوے۔ ایک مدت بعد سلطان نے لوگوں سے دریافت کیا کہ خانقاہ شیخ کا کیا حال ہے؟ انھوں نے عرض کی کہ سابق جس قدر پکتا تھا اب اس سے دوگنا پکتا ہے بادشاہ یہ سنکر پشیمان ہوا کہا میں غلطی پر تھا۔ آپ کا معاملہ

marfat.com

عالمِ غیب سے ہے[1]

غیاث الدین تغلق کا عہد اور سرکاری مجلسِ مناظرہ

قطب الدین مبارک شاہ کے بعد چند مہینے خسرو خاں نے غاصبانہ سلطنت کی اور شعائرِ اسلام کو سرنگوں کر کے اسلام کی تذلیل کی۔ ۷۲۱ھ میں غیاث الدین تغلق (ملک غازی) نے خسرو خاں کو قتل کر کے تغلق خاندان کی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ سلطان غیاث الدین اگرچہ صاحبِ علم نہ تھا لیکن شریعت اور علماء کا احترام کیا کرتا تھا۔ حضرت خواجہ سماع سنتے تھے ان کی وجہ سے دہلی میں اس کا عام ذوق اور رواج ہو گیا تھا[2]۔ ایک شخص شیخ زادہ حسام الدین فرجام نامی جو ایک عرصہ تک حضرت خواجہ کے سایہ عاطفت میں رہا تھا اور باوجود مجاہدوں کے ذوق و شوق اور عشق کی دولت سے فیضاب نہیں ہو سکا تھا۔ نیز قاضی جلال الدین الولوالجی نائب حاکم مملکت کو بھی اہل درد و محبت سے ایک طرح کی کد تھی۔ قاضی صاحب اور دوسرے علماء نے شیخ زادہ حسام کو آمادہ کیا اور اس نے بادشاہ کو متوجہ کیا کہ خواجہ نظام الدین مقتدائے زمانہ ہیں اور وہ

---

[1] خیر المجالس ماخوذ از ترجمہ ص ۲۰۳

[2] سماع کی حقیقت، اغراض و مقاصد اور اس کے اداب و احکام کی بحث چوتھے باب "اذواق و کیفیات" میں ملاحظہ ہو۔ ۱۲

marfat.com

سماع سنتے ہیں جو امام اعظمؒ کے مذہب میں حرام ہے اور ان کی وجہ سے ہزارہا مخلوق اس فعل ممنوع کا ارتکاب کرتی ہے۔ سلطان اس مسئلہ سے بے خبر تھا۔ اس کو تعجب ہوا کہ ایسے بزرگ جو مقتدائے عالم ہیں ایسا نامشروع کام کیسے کرتے ہیں۔ لوگوں نے سماع کی حلت کے فتوے اور کتب شرعیہ کی روایات بادشاہ کے سامنے پیش کیں۔ بادشاہ نے کہا کہ چونکہ علماء دین نے سماع کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے اور وہ اس کو منع کرتے ہیں اس لئے حضرت خواجہ اور تمام علماء شہر اور صدور و اکابر کو طلب کیا جائے اور ایک مجلس منعقد کی جائے تاکہ یہ تحقیق ہو جائے کہ حق کیا ہے۔ میر خورد کی زبان سے اس کی تفصیل سنیئے۔

قصر شاہی میں حضرت خواجہ کی طلبی ہوئی۔ حضرت خواجہؒ قاضی محی الدین کاشانی اور مولانا فخر الدین زرادی کی معیت میں کہ دونوں سرآمد علماء اور اساتذۂ وقت تھے۔ محفل میں تشریف لے گئے۔ پہلے قاضی جلال الدین نائب حاکم نے حضرت خواجہ کو وعظ و نصیحت شروع کی اور نامناسب طریقے پر آپ سے خطاب کیا۔ یہاں تک کہا کہ اگر اس کے بعد آپ نے سماع کی حلت کا دعویٰ کیا اور سماع سُنا تو میں حاکمِ شرع ہوں۔ میں آپ کو سزا دوں گا۔ یہ سنکر حضرت خواجہؒ کو جلال آگیا اور فرمایا کہ جس منصب کے بھروسہ پر تم یہ بات کہہ رہے ہو اس سے معزول ہو جاؤ گے۔ چنانچہ ٹھیک بارہ روز بعد قاضی اپنے منصب سے معزول ہو کر دہلی سے

marfat.com

روانہ ہو گئے۔ خلاصہ یہ کہ اس مجلس مباحثہ میں تمام علماء و اکابر صدور و امراء و ارکانِ سلطنت حاضر تھے۔ بادشاہ اور سب حاضرینِ مجلس کی توجہ حضرت خواجہ کی طرف تھی۔ اور سب آپ کی تعظیم کرتے تھے۔ شیخ زادہ حسام نے کہا کہ آپ کی مجلس میں سماع ہوتا ہے لوگ رقص کرتے ہیں۔ آہ و نعرہ لگاتے ہیں اسی طرح اور بہت سی باتیں کہیں۔ حضرت خواجہؒ نے شیخ زادہ کی طرف دیکھا اور فرمایا شورمت کرو۔ زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں۔ پہلے یہ بتلاؤ کہ سماع کی تعریف کیا ہے؟ شیخ زادہ حسام نے کہا کہ میں نہیں جانتا۔ البتہ اتنا جانتا ہوں کہ علماء سماع کو حرام کہتے ہیں۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ جب تمکو سماع کے معنی ہی نہیں معلوم تو مجھے تم سے کچھ کہنا نہیں ہے۔ اور نہ کہنا چاہیئے۔ شیخ زادہ حسام شرمندہ ہوا۔ بادشاہ پوری توجہ سے آپ کی تقریر سن رہا تھا۔ جب کوئی زور سے بات کرتا تو کہتا کہ شورمت کرو۔ سنو کہ شیخ کیا فرماتے ہیں۔ حاضر الوقت علماء میں مولانا حمید الدین اور مولانا شہاب الدین ملتانی خاموش تھے۔ مولانا حمید الدین نے اتنا فرمایا کہ یہ مدعی حضرت خواجہ کی مجلس کا جو حال بیان کرتے ہیں۔ یہ واقعہ کے خلاف ہے میں نے خود دیکھا ہے اور بہت سے مشایخ اور درویشوں کو بھی میں نے دیکھا ہے ——

اسی دوران میں شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے

marfat.com

نواسے مولانا علم الدّین آگئے ۔ بادشاہ نے ان سے کہا کہ آپ بھی عالم ہیں اور سیّاح بھی اس وقت سماع کی بحث درپیش ہے میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ سماع سننا حرام ہے یا حلال ؟ مولانا علم الدین نے کہا کہ میں نے اس باب میں ایک رسالہ تصنیف کیا ہے اس میں اس کی حرمت و حلت کے دلائل نقل کئے ہیں۔ تحقیق یہ ہے کہ جو دل سے سنتے ہیں ان کیلئے حلال ہے اور جو نفس سے سنتے ہیں ان کے لئے حرام ۔ اس کے بعد بادشاہ نے مولانا علم الدین سے پوچھا کہ آپ بغداد و شام و روم ہر جگہ پھر چکے ہیں وہاں کے مشائخ سماع سنتے ہیں یا نہیں، اور وہاں کوئی منع کرتا ہے۔

مولانا علم الدین نے فرمایا کہ ان سب شہروں میں بزرگ و مشائخ سماع سنتے ہیں اور بعض دف و شبانہ کے ساتھ بھی، کوئی مانع نہیں ہوتا۔ اور سماع مشائخ کے درمیان حضرت جنید و شبلیؒ کے وقت سے مروّج چلا آرہا ہے۔ بادشاہ مولانا علم الدین کی زبان سے یہ سنکر خاموش ہوگیا۔ اور اس نے یہ کچھ نہیں کہا۔ مولانا جلال الدین نے عرض کیا کہ بادشاہ سماع کی حرمت کا فرمان صادر کر دیں اور امام اعظمؒ کے مذہب کی پاسداری فرمائیں۔ اس پر حضرت خواجہ نے بادشاہ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس بارے میں کوئی فرمان جاری نہ کریں۔ بادشاہ نے آپ کا یہ مشورہ قبول کیا اور اس بارے میں کوئی فیصلہ صادر

marfat.com

نہیں کیا۔ مولانا فخرالدین (جو مجلس میں حاضر تھے)، کا بیان ہے کہ ابتدائے چاشت سے زوال تک یہ بحث جاری رہی۔ اہل مجلس تحریم کی کوئی دلیل نہیں دے سکے اور آخر میں اس پر بحث آکر ختم ہوگئی کہ اس کا ترک اولیٰ ہے یا اس کا فعل۔ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ نے فیصلہ کیا کہ حضرت خواجہ سماع سُن سکتے ہیں۔ اور کسی کو ان کو منع کرنے کی اجازت نہیں لیکن یہ روایت مرجوح ہے ——————

انھیں دنوں میں کسی نے حضرت خواجہؒ سے کہا کہ اب تو سماع کے لئے فرمان سلطانی ہوگیا ہے کہ آپ جس وقت چاہیں سماع سنیں وہ حلال ہے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ اگر وہ حلال ہے تو کسی کے کہنے سے حرام نہیں ہوسکتا۔ مجلس کے اختتام پر بادشاہ نے حضرت خواجہ کو بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ رخصت کیا[1]۔

مجلس مناظرہ کا حال حضرت خواجہ کی زبان سے

قاضی ضیاء الدین برنی اپنی کتاب "حسرت نامہ" میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت خواجہ اس مجلس سے فارغ ہوکر مکان پر تشریف لائے تو

---

[1] سیر الاولیاء، باختصار ص ۵۲۷ تا ص ۵۳۲۔

marfat.com

آپ نے نماز ظہر کے وقت مولانا محی الدّین کاشانی اور امیر خسرو کو طلب فرمایا۔ ارشاد ہوا کہ دہلی کے علماء عداوت وحسد سے بھرے ہوئے تھے۔ انھوں نے وسیع میدان پایا اور دشمنی کی بہت سی باتیں کیں۔ عجائب بات یہ دیکھی کہ صحیح احادیث نبویہؐ کا سننا ان کو گوارا نہیں تھا۔ ان کے جواب میں یہی کہتے تھے کہ ہمارے شہر میں فقہ پر عمل حدیث پر مقدم ہے۔ یہ باتیں وہی کہہ سکتے ہیں جن کا احادیث نبویہؐ پر اعتقاد نہ ہو۔ میں جب کوئی صحیح حدیث پڑھتا تو وہ ناراض ہوتے اور کہتے تھے کہ اس حدیث سے امام شافعیؒ استدلال کرتے ہیں اور وہ ہمارے علماء کے دشمن ہیں۔ ہم نہیں سنیں گے۔ معلوم نہیں کہ یہ با اعتقاد ہیں یا نہیں۔ اولوالامر کے سامنے ایسی زبردستی سے کام لیتے تھے اور احادیث صحیح کو رد کرتے تھے۔ میں نے کوئی عالم ایسا دیکھا نہ سنا کہ اس کے سامنے احادیث صحیحہ پڑھی جائیں۔ اور وہ کہے کہ میں نہیں سنتا۔ میں نہیں سمجھتا کہ یہ کیا قصہ ہے اور وہ شہر جہاں ایسی جرأت اور زبردستی کی جاتی ہے وہ کیسے آباد رہ سکتا ہے تعجب نہیں کہ اگر اس کی اینٹ سے اینٹ بج جائے۔ اس کے بعد بادشاہ اور امراء اور عوام جب قاضی شہر اور علماء شہر سے یہ سنیں گے کہ اس شہر میں حدیث پر عمل نہیں ہوتا تو ان کا حدیث نبویؐ پر اعتقاد کیسے رہے گا۔ مجھے ڈر ہے کہ علماء شہر کی اس بدعقیدگی کی نحوست سے آسمان سے بلا و جلاء و قحط و وبا نہ برسے[1]۔

---

[1] سیر الاولیاء، ص۵۲۷ و ص۵۳۲۔

marfat.com

دہلی کی تباہی

اس واقعہ کے ٹھیک چھٹے سال حضرت خواجہ کی وفات کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق کے فرزند اور جانشین محمد تغلق نے دلی کو بالکل خالی کر دینے اور دیوگیر (دولت آباد) منتقل ہو جانے کا فرمان جاری کیا اور اس میں ایسی ضد اور عجلت سے کام لیا کہ حقیقتاً شہر کی اینٹ سے اینٹ بج گئی اور دلی سا گلزار و آباد شہر جس میں پہلے رہنے کو جگہ نہیں ملتی تھی ایسا خالی ہوا کہ سوائے جنگلی جانوروں اور درندوں کے وہاں کسی متنفس کی شکل نظر نہیں آتی تھی۔

محمد قاسم تاریخ فرشتہ میں لکھتا ہے۔

احدے از مردم دہلی را کہ بآب و ہوا آں جا خو گرفتہ بود زندہ بحال خود نگذاشتہ طرا بدولت آباد فرستاد و دہلی بنوعے ویراں گشت کہ آواز ہیچ متنفس بجز شغال و روباہ و جانوران صحرائی بگوش نمی رسید۔[۱]

کارپردازان حکومت نے کسی ایک شخص کو بھی جو دہلی کی آب و ہوا کا خوگر تھا اپنی جگہ نہیں چھوڑا سب کو کلیتہً دولت آباد (دیوگیر) بھیج دیا اور دہلی اس طرح ویران ہوئی کہ کسی ایک جاندار کی آواز بھی سوائے گیدڑ، لومڑی اور جنگلی جانوروں کے کان میں نہیں آتی تھی۔

---

[۱] تاریخ فرشتہ (جلد اول) ص ۲۴۳۔

marfat.com

وہ تمام علماء جو اس مجلس میں موجود تھے اور دوسرے بھی ان کی بدولت آباد جلاوطن ہوئے دولت آباد پہونچے تو وہاں سخت قحط اور وبا کا سامنا کرنا پڑا۔ ہزاروں راستہ میں لقمۂ اجل بن گئے اور ہزاروں وہاں پہونچ کر قحط اور بیماریوں کا شکار ہوئے اور حضرت خواجہؒ کی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔

نظام الاوقات

امیر خورد نے حضرت خواجہ کا نظام الاوقات اس طرح لکھا ہے۔

روزہ افطار کرنے کے بعد (جو اہل جماعت کے ساتھ ہوتا تھا) اپنے بالاخانہ کے قیام گاہ پر تشریف لے جاتے تھے۔ احباب و خدام جو شہر اور اطراف سے آئے ہوتے ہوتے تھے مغرب و عشاء کے درمیان اوپر ہی بلا لئے جاتے تھے ایک گھڑی وہاں ہم نشینی اور ملاقات کا شرف حاصل ہوتا۔ ہر قسم کے تر و خشک میوے اور کھانے پینے کی لطیف و لذیذ چیزیں حاضر کی جاتی تھی۔ حاضرین مجلس تناول کرتے، آپ ہر ایک کی دلداری فرماتے اور خیریت و حالات دریافت فرماتے[1]۔

امیر خسروؒ کی خصوصیت

عشاء کی نماز پڑھنے کے لئے پھر نیچے تشریف لاتے۔ جماعت کے ساتھ نماز پڑھ کر پھر بالاخانہ پر تشریف لے جاتے۔ کچھ دیر مشغول رہتے،

---

[1] سیر الاولیاء۔ ص ۱۲۵۔

marfat.com

پھر آرام کرنے کے لئے چارپائی پر تشریف لے جاتے، اس وقت خدام تسبیح لاکر آپ کے ہاتھ میں دیتے، اس وقت سوائے امیر خسروؒ کے کسی کے آنے کی ہمت نہ ہوتی تھی[1]۔ وہ سامنے بیٹھ کر ہر طرح کے قصے اور باتیں کرتے آپ پسندیدگی میں سر مبارک کو حرکت دیتے۔ وقتاً فوقتاً ارشاد ہوتا کہ ترک کیا خبر ہے؟ امیر خسرو اتنی بات سنکر طویل گفتگو کا موقع نکال لیتے۔ اگر آپ ایک نکتہ پوچھتے تو وہ پوری داستان سناتے[2] اس موقع پر بعض کم سن اعزہ اور بعض پروردہ جو صاحب خانہ تھے حاضر ہوتے اور قدمبوسی کرتے۔ ؎

---

[1] امیر خسرو کو حضرت خواجہؒ سے جو والہانہ و عاشقانہ تعلق تھا وہ ان کے سوانح اور دیوان سے معلوم ہوتا ہے۔ بلبل کو گل سے اور پروانہ کو شمع سے جو تعلق ہوتا ہے اسی طرح کا تعلق امیر خسرو کو اپنے مرشد سے تھا۔ حضرت خواجہ کو بھی اس عاشق صادق سے ایسا تعلق تھا کہ فرماتے تھے کہ "من از ہمہ تنگ آیم و از تو تنگ نیایم"، مجھے بعض اوقات ہر ایک سے وحشت ہونے لگتی ہے لیکن اس حالت میں بھی تم سے نہیں ہوتی۔ مزید برآں ایک بار فرمایا۔ از ہمہ کس تنگ آیم تا حدے کہ از خود تنگ آیم و از تنگ نیایم۔ بعض اوقات اپنے سے بھی اکتانے لگتا ہوں۔ مگر تم سے نہیں اکتاتا (سیر الاولیاء ص ۳۰۲) ایک بار ارشاد فرمایا کہ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ آپ امیر خسرو کو جس نظر سے دیکھتے ہیں ایک بار وہ نظر مجھ پر ڈال دیجئے۔ میں نے اس کو تو کوئی جواب نہیں دیا لیکن میرے دل میں آیا کہ اس سے کہوں کہ وہ قابلیت تو لاؤ۔ (ص ۳۰۲)

[2] بحرفے می تواں گفتن تمنائے جہانے را
من از شوقِ حضوری طول دادم داستانے را

نخفت خسرو مسکین ازیں ہوس شبہا
کہ دیدہ بر کفِ پایت نہد بخواب شود

شب کی تیاری

جب امیر خسرو اور صاحبزادگان اجازت لیکر رخصت ہوتے تو اقبال خادم آتے اور پانی کے بھرے ہوئے چند آفتابے آپ کے وضو کے لئے رکھ کر باہر چلے جاتے اس کے بعد حضرت خواجہ خود اٹھتے اور دروازہ کو زنجیر لگاتے۔ پھر وہاں کی خبر اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ خدا ہی جانتا ہے کہ تمام رات کیا راز و نیاز ہوتے اور اپنے مالک سے کیا ذوق و شوق کی باتیں ہوتیں۔ حضرت خواجہؒ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے یہ دو شعر دیکھے ہیں جو بالکل حسب حال ہیں۔ ؎

تنہا منم و شب و چراغی مونس شدہ تا پگاہ روزم
کاہش ز آہ سرد بکشم گاہ از تف سینہ بر فروزم

کبھی کبھی یہ شعر بھی آپ کی زبانِ مبارک سے سنا گیا ہے۔ اور حکایتِ حال ہے۔ ؎

بارے بہ تماشائے من و شمع بیا
کز من و کمے نماند و از وے دودے

سحری

سحر کا وقت ہوتا تو خادم آتا اور باہر سے دروازہ پر دستک دیتا، حضرت خواجہ دروازہ کھول دیتے، سحری جس میں ہر قسم کی چیزیں ہوتیں سامنے رکھتا۔ آپ اس میں سے بہت کم تناول فرماتے، باقی کے لئے ارشاد ہوتا کہ بچوں کے لئے حفاظت سے رکھ لو۔ خواجہ عبد الرحیم

marfat.com

جن کے ذمہ سحر کا لے جانا تھا۔ بیان کرتے ہیں کہ اکثر ہوتا کہ حضرت خواجہ سحری میں سے کچھ نہ کھاتے، میں عرض کرتا کہ حضرت والا افطار کے وقت بھی بہت کم کھاتے ہیں اگر سحری بھی کچھ نہ کریں گے تو ضعف بہت بڑھ جائے گا۔ اس پر گریہ فرماتے اور کہتے کہ کتنے غریب اور بے کس مسجدوں کے کونوں اور چبوتروں پر بھوکے پڑے ہوتے ہیں اور فاقہ سے رات گزار دیتے ہیں۔ یہ کھانا میرے حلق سے کیسے اُتر سکتا ہے۔ چنانچہ اکثر ایسا ہوتا کہ سحری میں جیسی لاتا ویسی ہی اٹھا کر لے جاتا۔

صبح کے وقت

جب دن ہوتا جس کی جمالِ مبارک پر نظر پڑتی دیکھتا کہ کھلی ہوئی مستی ہے اور آنکھیں بیداری سے سُرخ ہیں۔ ایسے شدید مجاہدوں سے بھی آپ کے اندر کوئی ضعف نظر نہ آتا۔ اور آپ کی کسی ہیئت میں جو آپ کی معمول تھی تغیر نہ ہوتا کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ آپ چار سو یا پانچ سو رکعت نماز پڑھتے ہیں یا اتنی تسبیح کا معمول ہے۔ عمر عزیز ان باطنی مشغولیتوں میں گزرتی جن کا حال اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں اور دلجوئی اور قلوب کے تفقد و دریافت میں مشغول رہتے۔ جس سے افضل کوئی کام نہیں۔ ع

دل بدست آور کہ حج اکبر ست

دن میں

دن میں تمام روز اپنے مشائخ کے سجادہ پر قبلہ رو باطنی طور پر مشغول "مُتَوَجِّهًا اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی کَاَنَّہٗ یَنْظُرُ اِلَیْہِ" (اللہ کی طرف متوجہ ہو کر گویا وہ رو برو ہے) بیٹھ کر گزار دیتے۔ آنے والوں میں

marfat.com

مختلف طبقوں کے لوگ ہوتے، علماء ومشائخ، صدور واکابر، وضیع وشریف ہر ایک کے علم ومرتبہ کے مطابق جس کا جو فن ہوتا اس میں اس سے گفتگو کرتے اور اس کی دلجوئی فرماتے ظاہری طور پر ان میں مشغول ہوتے اور باطن میں پورے طور پر مشغول بحق ہوتے[1]

دلداری وتربیت

نماز ظہر کا وقت ہوتا، نماز ادا کرنے کے بعد جو عزیز قدمبوسی کیلئے آئے ہوئے ہوتے ان کو طلب فرمایا جاتا اور ان سے گفتگو ودلداری میں کچھ وقت گزرتا۔ عبادات وسلوک ومحبت الٰہی کے بارے میں ان کی رہنمائی کی جاتی۔ اکابر علماء وصلحاء کی (جو اس مجلس میں حاضر ہوتے) ہمت نہ ہوتی کہ سر اٹھا کر چہرۂ مبارک کو دیکھتے۔ ابہار عب اور من جانب اللہ عظمت تھی کہ آپ کے چہرے پر نظر کرنا مشکل تھا۔

قرب سفر

عمر مبارک جب اسّی سے متجاوز ہوئی تو سفر آخرت کے آثار نمایاں ہوئے۔ ایک روز ارشاد فرمایا کہ میں نے خواب میں حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ارشاد ہوا۔ "نظام ہم کو تمہارا بڑا اشتیاق ہے"[2]

---

[1] سیر الاولیاء، ص ۱۲۵ و ص ۱۲۹

[2] سیر الاولیاء، ص ۱۴۱

marfat.com

خلفائے کبار کو اجازت نامے اور ان کی محبت و مواخات

بیماری کے دوران میں آپ نے متعدد حضرات کو خلافت عطا فرمائی۔ اور اجازت نامے لکھ کر دیئے۔ مولانا فخر الدین زرادی نے ان کا مضمون مرتب کیا اور سید حسین کرمانی نے ان کی کتابت کی، آپ نے ان پر اپنے دستخط مبارک ثبت کئے۔ دستخط کے الفاظ یہ تھے "مِنَ الْفَقِیْرِ مُحَمَّدِ ابْنِ اَحْمَدِ ابْنِ عَلِیِّ الْبَدَاءُ نِیِّ الْبُخَارِیْ"۔ ان اجازت ناموں پر ۲۰ ذی الحجہ ۷۲۴ھ درج ہے۔ گویا یہ وفات سے تین مہینے ۲۷ دن پہلے لکھے گئے ہیں۔[1]

جن حضرات کے لئے یہ اجازت نامے تھے ان کو جہاں جہاں وہ تھے پہنچا دیئے گئے۔ جو حضرات موجود تھے ان کو بلا کر خود عطا کئے گئے۔ پہلے شیخ قطب الدین منور کی طلبی ہوئی۔ سلطان المشائخ نے خلعت خلافت عطا فرمایا اور وصیت فرمائی۔ اجازت نامہ ان کو مرحمت ہوا کہ جاؤ دوگانہ ادا کرو۔ دوستوں نے مبارکباد دی۔ اسی دوران میں شیخ نصیر الدین محمود (چراغ دہلی) کو یاد فرمایا گیا۔ ان کو بھی خرقۂ خلافت اور اجازت نامہ عطا ہوا۔ اور وصیت فرمائی گئی۔ شیخ نصیر الدین محمود ابھی کھڑے ہوئے تھے کہ شیخ قطب الدین منور کی دوبارہ طلبی ہوئی۔ وہ آئے تو ارشاد ہوا کہ شیخ نصیر الدین محمود کو خلافت کی مبارکباد دو۔ پھر شیخ

[1] حضرت خواجہ کی وفات ۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ھ کو ہوئی۔ ۱۲

marfat.com

نصیرالدین محمود سے ارشاد ہوا کہ شیخ منور کو مبارک باد دو۔ دونوں نے ایک دوسرے کو مبارکباد دی۔ پھر دونوں کو ایک دوسرے سے بغلگیر ہونے کا حکم ہوا۔ پھر فرمایا کہ تم دونوں بھائی بھائی ہو۔ تقدیم وتاخیر کا کچھ خیال نہ کرنا۔[1]

وفات کا حال

وفات سے ۴ روز پیشتر استغراق وتحیّر کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ امیر خورد نے تفصیل سے وفات کا حال لکھا ہے۔ ان کا بیان ہے۔

جمعہ کا دن تھا سلطان المشائخ پر ایک کیفیت تھی۔ نورِ تجلّی سے ان کا باطن منور ہو رہا تھا۔ نماز کے اندر بار بار سجدے فرماتے تھے۔ اسی حالتِ تحیّر میں مکان تشریف لائے۔ گریہ میں ترقی ہوگئی۔ روزانہ کئی کئی بار غیبوبت واستغراق ہو جاتا تھا۔ پھر توجہ ہو جاتی تھی۔ یہی فرماتے تھے کہ آج جمعہ کا دن ہے۔ دوست کو دوست کا وعدہ یاد آجاتا ہے اور وہ اس کیفیت میں غرق ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں دریافت فرماتے کہ نماز کا وقت ہوگیا ہے اور میں نماز پڑھ چکا ہوں؟ اگر جواب دیا جاتا کہ آپ نماز پڑھ چکے ہیں تو فرماتے کہ پھر پڑھ لیں۔ ہر نماز کو مکرّر ادا کرتے۔ جتنے دن اس عالم میں رہے یہ دو باتیں مکرّر فرماتے؟ آج جمعہ کا دن ہے۔ ہم نماز پڑھ چکے ہیں؟ اور کبھی یہ مصرع پڑھتے۔ ؎

---

[1] سیر الاولیاء، ص۲۲۰ و ص۲۲۱ و ص۲۲۲ و ص۲۴۸ و ص۲۴۹ ۱۲

marfat.com

"می رویم و می رویم و می رویم"

اسی دوران میں ایک روز تمام خدام و مریدین کو جو حاضر تھے طلب فرمایا اور ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم گواہ رہنا کہ اگر اقبال (خادم) نے کوئی چیز بھی گھر میں جنس میں سے بچالی ہے تو کل روز قیامت اس کو خدا کے سامنے جواب دینا ہوگا۔ اقبال خادم نے عرض کیا کہ میں نے کچھ نہیں چھوڑا ہے۔ سب آپ پر صدقہ کر دیا ہے۔ اور واقعی اس جوانمرد نے ایسا ہی کیا تھا سوائے اس غلّہ کے جو چند دن کے لئے فقرائے خانقاہ کو کفایت کرتا سب کچھ تقسیم کر دیا تھا۔ میرے چچا سیّد حسین نے اطلاع دی کہ غلّہ کے سوا ہر چیز محتاجوں کو پہنچ گئی۔ سلطان المشائخ اقبال سے ناراض ہوئے ان کو طلب کیا اور فرمایا کہ اس مردار ریت کو کیوں رکھ چھوڑا ہے؟ اقبال نے عرض کیا کہ غلّہ کے سوا جو کچھ موجود تھا سب کچھ تقسیم ہو گیا ہے آپ نے فرمایا کہ خلقت کو بلاؤ۔ جب لوگ حاضر ہوئے تو فرمایا کہ غلّہ کے انبار خانے توڑ ڈالو اور تمام غلّہ بے تکلّف اٹھا لے جاؤ اور وہاں جھاڑو دے دو۔ ذرا سی دیر میں خلقت جمع ہو گئی اور اس نے غلّہ کو لوٹ لیا۔ اسی بیماری میں کچھ احباب اور خدمتگار حاضر ہوتے۔ اور انھوں نے پوچھا کہ ———————

آں مخدوم کے بعد ہم مسکینوں کا کیا حال ہوگا؟ فرمایا کہ یہاں اتنا ملتا رہے گا جس سے تمہارا گزر ہو جائے۔ میں نے بعض معتبر مشائخ سے سُنا ہے کہ لوگوں نے عرض کیا کہ ہمارے درمیان کون

فوائد الفواد ۔ ۲۰

نصیب ور ہوگا؟[1] فرمایا جس کی قسمت یاوری کرے گی۔ بعض دوستوں اور خادموں نے میرے نانا مولانا شمس الدین وامغانی سے عرض کیا کہ وہ سلطان المشائخ سے پوچھیں کہ ہر شخص نے اپنے اپنے اعتقاد کے مطابق آپ کے احاطہ میں بلند بلند عمارتیں بنالی ہیں اور سب کی نیت یہ ہے کہ آپ اس کی عمارت میں آرام فرمائیں[2]۔ اگر وہ ناگزیر وقت آگیا تو آپ کو کس عمارت میں دفن کریں تاکہ کوئی خودرائی سے کام نہ کرے۔ مولانا شمس الدین نے یہ پیغام پہونچایا تو ارشاد ہوا کہ میں کسی عمارت کے نیچے دفن ہونا نہیں چاہتا۔ میں جنگل میں آسودہ خاک ہوں گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ کو باہر میدان میں دفن کیا گیا۔ بعد میں سلطان محمد تغلق نے اس پر گنبد تعمیر کرایا۔

وفات سے ۴۰ روز پہلے سے غذا بالکل ترک فرمادی تھی کھانے کی خوشبو بھی گوارا نہ تھی۔ گریہ اس شدت سے غالب تھا کہ ایک گھڑی کیلئے بھی آنسو نہیں تھمتے تھے۔ ؎

گر نہ بینی گریۂ زارم ندانی فرق کرد
کاب چشم است ایں کہ پیشت می رود با آب جو

اسی درمیان میں اخی مبارک ایک روز مچھلی کا شوربہ لائے مخلصین

---

[1] غالباً جانشینی وخلافت کے متعلق سوال تھا۔ ۱۲

[2] یعنی مدفون ہوں۔ ۱۲

marfat.com

نے بڑی کوشش کی کہ آپ تھوڑا سا تناول فرمالیں۔ سلطان المشائخ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ عرض کیا گیا کہ تھوڑا سا مچھلی کا شوربہ ہے۔ فرمایا۔ بہتے ہوئے پانی میں ڈال دو۔ آپ نے کچھ تناول نہیں فرمایا۔ میرے چچا سید حسین نے عرض کیا کہ کئی دن ہو گئے ہیں کہ آں مخدوم نے کھانا بالکل چھوڑ دیا ہے اس کا کیا نتیجہ ہوگا؟ فرمایا۔ سید جو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کا مشتاق ہو اس سے دنیا میں کھانا کیسے کھایا جاتے! الغرض ۴۰ روز کی مدت میں جس طرح کھانا تناول نہیں فرمایا اسی طرح بات بھی بہت کم کی۔ آخر چہارشنبہ کے دن تک جس دن آپ کی وفات ہوئی یہی حال رہا۔

۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ھ کو طلوعِ آفتاب کے بعد زہد و عبادت حقیقت و معرفت اور ہدایت و ارشاد کا یہ آفتاب غروب ہو گیا۔

نماز جنازہ شیخ الاسلام رکن الدین نبیرۂ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی نے پڑھائی نماز کے بعد شیخ الاسلام رکن الدین نے فرمایا کہ۔

مجھے اب معلوم ہوا کہ مجھے ۴ سال تک دہلی میں اس لئے رکھا گیا کہ مجھے اس نماز جنازہ کی امامت کا شرف حاصل ہو۔[1]

ساری عمر تجرّد میں گزری اس لئے کوئی اولاد نہیں تھی۔ روحانی سلسلہ سارے ہندوستان میں پھیلا اور ابھی تک جاری ہے۔

---

[1] سیر الاولیاء (ص۱۵۲ تا ص۱۵۵)۔

marfat.com

باب دوم

اخلاق و صفات

جامع اوصاف

حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے اوصاف کا خلاصہ اور ان کا صحیح ترین و جامع ترین تعارف ان الفاظ میں ہے جو عطائے خلافت کے وقت ان کے صاحبِ نظر شیخ و مرشد (شیخ کبیر حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ) کی زبان سے نکلے۔ انھوں نے فرمایا۔

باری تعالیٰ ترا علم و عقل و عشق دادہ است و ہر کہ بدیں صفت موصوف باشد او را خلافت مشائخ نیکو آید[1]

اللہ تعالیٰ نے تم کو علم و عقل و عشق کی دولت عطا کی ہے اور جو ان صفات کا جامع ہو وہ مشائخ کی خلافت کی ذمہ داریاں خوب ادا کر سکتا ہے۔

---

[1] سیر الاولیاء۔ (ص ۳۴۵)

marfat.com

حضرت خواجہؒ کی سیرت اسی جامعیت کا مرقع ہے۔ یہاں علم و عقل و عشق تینوں پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں۔ محبّت و معرفت حقیقی اور مشائخِ کبار کی تربیت وصحبت جو بہترین اثرات و نتائج پیدا کرتی ہے اور جن کے بہترین مجموعہ کا نام دورِ آخر میں "تصوف" پڑ گیا ہے۔ یعنی اخلاص و اخلاق اس کی بہترین نمود ان کی زندگی میں نظر آتی ہے۔

اخلاص

ان کی زندگی کا بہترین جوہر جس نے ان کو اپنے معاصرین ہی میں نہیں بلکہ مشائخِ اسلام میں ایک بلند مقام اور اپنے زمانہ ہی میں نہیں بلکہ تاریخِ اسلام کے مختلف ادوار میں قبولِ عام اور بقائے دوام عطا کیا اور ان کو محبوبیت کے خاص انعام سے نوازا۔ وہ توحید و اخلاص کی وہ خاص کیفیت اور ذوق ہے جس میں محبت اور رضائے الٰہی کے سوا کوئی چیز مطلوب و مقصود نہیں رہی۔ محبّت و یقین کے شعلہ نے ہر طرح کے خس و خاشاک کو جلا کر رکھ دیا تھا۔ حبِّ دنیا، حبِّ جاہ اور اس طرح کی تمام محبّتوں اور طلبوں کا استیصال کلّی ہو چکا تھا۔ ؎

شاد باش اے عشقِ خوش سودائے ما — اے طبیبِ جملہ علّت ہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموس ما — اے تو افلاطون و جالینوس ما
عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت — ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
ماند الا اللہ باقی جملہ رفت — شاد باش اے عشق شرکت سوز رفت

(مولانا رومؒ)

marfat.com

امیر حسن علا سنجریؒ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ مجلس میں یہ ذکر ہو رہا تھا کہ کچھ لوگ مسجد میں قیام کرتے ہیں۔ اور وہاں قرآن مجید کی تلاوت اور نوافل پڑھتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ اگر اپنے گھر ہی رات کو قیام کریں تو کیسا ہے؟ فرمایا کہ آدمی اپنے گھر میں ایک پارہ پڑھے وہ مسجد میں ایک قرآن ختم کرنے سے بہتر ہے۔ اس پر یہ ذکر آ گیا کہ گذشتہ زمانہ میں ایک صاحب جامع مسجد دمشق میں رات بھر عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ اس لالچ میں کہ اس کی عام شہرت ہوگی۔ اور شیخ الاسلامی کے عہدے پر (جو اس زمانہ میں خالی تھا) ان کا تقرر ہو جائے گا۔ یہ سُنکر حضرت خواجہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپ نے فرمایا۔

بسوز اوّل شیخ الاسلامی را و	آگ لگاؤ ایسی شیخ الاسلامی
پس خانقاہ را و بعد ازاں	کو پھر خانقاہ کو پھر اپنے کو
خود را[1]	خاک کر کے رکھ دو۔

حضرت خواجہؒ کی ساری زندگی اسی "دل سوختگی" اور "خود باختگی" کا نمونہ ہے۔ اور اسی چیز نے ان کی صحبت میں کیمیا اور اکسیر کی خاصیت پیدا کر دی تھی۔ انھیں کے سلسلہ کے ایک سوختہ دل شیخ[2] سے (جو نویں صدی میں نظامی سلسلہ کے مقتدیٰ تھے) یہ دو شعر منقول ہیں۔ جو اس صورت حال

---

[1] فوائد الفواد (ص ۲۴۷)

[2] حضرت شاہ محمد مینا (محمد بن قطب) لکھنویؒ (م ۸۷۰ھ)

marfat.com

اور جذبہ کی صحیح ترجمانی کرتے ہیں۔ ؎

مارا نہ مرید ورد خواں می باید　　نے زاہد نے حافظِ قرآں می باید
صاحب دردے سوختہ جاں می باید　　آتش زدہ بہ خانماں می باید

اپنے ہی بارے میں نہیں، اپنے خلفاء اور جانشینوں کے بارے میں بھی (جن سے تہذیب، اخلاق اور تزکیۂ نفس کا کام لینا تھا) اس کا لحاظ فرماتے تھے کہ وہ اخلاص کے اس مقام پر پہونچ گئے ہیں کہ حبِّ جاہ کا ان کے دل سے خاتمہ ہو چکا ہے۔ مولانا فصیح الدین نے سوال کیا کہ مشائخ کی خلافت کا اہل کون ہوتا ہے؟ فرمایا۔

کسے را کہ در خاطر او توقع خلافت　　وہ شخص جو خلافت کا متوقع
نباشد۔[1]　　اور منتظر بھی نہ ہو۔

صاحب سیر الاولیاء کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آپ کو اپنے ایک ممتاز خادم کے متعلق جن کو اجازت دی جا چکی تھی۔ معلوم ہوا کہ وہ کئی کمبل تہہ کر کے بچھا کر کے اس پر مشائخ کی طرح بیٹھتے ہیں اور امراء و عوام و خواص ان کی خدمت میں معتقدانہ حاضر ہوتے ہیں۔ آپ اس سے اتنے آزردہ ہوئے کہ جب وہ آئے تو آپ نے ان سے منھ پھیر لیا اور ان کو اجازت سے محروم کر دیا۔ عرصہ تک ان سے ایسی ہی بے رخی رہی۔ جب تک کہ ان کا عذر ظاہر نہیں ہوا اور انھوں نے

---

[1] سیر الاولیاء۔ (ص ۳۴۵)

marfat.com

معافی نہیں مانگی، ان پر نظرِ عنایت مبذول نہیں ہوئی۔[1]

دشمن نوازی

اخلاص و فنائیت اور بے نفسی کے اس مقام پر پہونچ کر سالک کے دل سے رنج و شکایت انتقام کا جذبہ اور ایذا کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے۔ وہ نہ صرف آشنا پرور دوست نواز ہوتا ہے بلکہ دشمن کا احسان مند اور دشمن کے حق میں دُعا گو بن جاتا ہے۔ گویا دشمنی کوئی احسان ہے۔ کوئی نادر تحفہ اور زخم دل کا مرہم ہے جس پر بے اختیار دل سے دُعا نکلتی ہے اور منھ سے پھول جھڑتے ہیں۔ امیر علاء سنجری راوی ہیں کہ حضرت نے ایک مرتبہ یہ مصرع پڑھا۔ ع

ہر کہ مارا رنج دادہ راحتش بسیار باد

(جو ہم کو رنج دے خدا اس کو بہت راحت پہونچائے)

اس کے بعد یہ شعر ارشاد ہوا ــــــــــ ؎

ہر کہ او خارے نہد در راہ ما از دشمنی
ہر گلے کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد[2]

سیر العارفین میں ہے کہ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ فرماتے تھے کہ

---

[1] سیر الاولیاء میں اس واقعہ کی تفصیل ہے۔ ۱۲

[2] فوائد الفواد ص۸۶ (ترجمہ) جو ہمارے راستہ میں کانٹے بچھائے اللہ کرے اس کے گلشن حیات میں جو پھول کھلے بے خار رہے۔ ۱۲

marfat.com

حصار اندرپت میں (جو موضع غیاث پور کے قریب ہے) چھجّو نامی ایک شخص تھا جس کو بے وجہ حضرت سے دشمنی تھی۔ بُرا بھلا بھی کہتا رہتا تھا۔ اور آپ کو تکلیف و ایذا پہونچانے کی فکر میں رہتا تھا۔ اس کا انتقال ہوگیا۔ حضرت شیخ نے اس کے جنازے میں شرکت کی، دفن کے بعد اس کے بالیں پر دو[1] رکعت نماز پڑھی اور دُعا فرمائی کہ خدایا! اس شخص نے جو کچھ کہا ہو یا بُرا سوچا ہو میں نے اس کو بخش دیا۔ تو میری وجہ سے اس کو سزا نہ دینا۔

ایک مرتبہ حاضرین میں سے ایک صاحب نے ذکر کیا کہ بعض آدمی جناب والا کو منبر پر اور دوسرے موقعوں پر بُرا بھلا کہتے ہیں ہم سے سُنا نہیں جاتا حضرت خواجہ نے فرمایا کہ میں نے سب کو معاف کیا تم بھی معاف کرو۔ اور ایسے آدمی سے جھگڑا نہ کرو۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اگر دو آدمیوں کے درمیان رنجش ہو تو اس رنجش کو دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے باطن کو عداوت سے خالی کر لے۔ دوسرے کی طرف سے بھی آزار کم ہو جاتے گا۔ فرمایا کہ آخر لوگ بُرا بھلا کہنے سے رنجیدہ کیوں ہوتے ہیں مشہور یہ ہے کہ "مالِ صوفی سبیل است و خون او مُباح" (صوفی کا مال وقف ہے اور اس کا خون روا) جب معاملہ یہ ہے تو کسی بُرا بھلا کہنے والے سے کیوں

---

[1] سیر العارفین (قلمی)

marfat.com

جھگڑا کیا جائے؟[1]

ایک دن فرمایا کہ دنیا کا عام اصول تو یہ ہے کہ نیکوں کے ساتھ نیکی اور بدوں کے ساتھ بدی کی جائے۔ لیکن مردانِ خدا کا اصول یہ ہے کہ بدی کا بدلہ بھی نیکی سے دیا جائے۔ فرمایا۔

یکے خار نہد و تو ہم خار نہی
ایں خار خار باشد .....
میان مردمان ہم چنیں است
بانغزاں نغزی و باکوزان
کوزی، امامیان درویشان
ہمچنین است کہ بانغزاں
نغزی باکوزاں ہم نغزی۔[2]

اگر کوئی کانٹا رکھے اور تم بھی کانٹا رکھ دو تو کانٹے ہی کانٹے جمع ہو جائیں گے۔ لوگوں کے درمیان عام اصول یہی ہے کہ سیدھوں کے ساتھ سیدھا اور ٹیڑھوں کے ساتھ ٹیڑھا لیکن درویشوں کا اصول یہ ہے کہ سیدھوں کے ساتھ سیدھا اور ٹیڑھوں کے ساتھ بھی سیدھا۔

حضرت خواجہ کا اس بارے میں معیار اتنا بلند تھا کہ بُرا کہنا تو بڑی چیز ہے وہ بُرا چاہنے کو بھی روا نہیں رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا۔

بدگفتن اندک است امابدخواستن
ازاں بدتر است۔[3]

بُرا کہنا بھی بُرا ہے۔ لیکن بُرا چاہنا اس سے کہیں بُرا ہے۔

---

[1] فوائد الفواد ص۹۵۔ [2] ایضاً ص۸۷ [3] سیر الاولیاء۔ ص۵۵۷

marfat.com

حب یہ معاملہ آپ کا سب کے ساتھ تھا۔ تو اپنے شیخ اور روئی نعمت کے عزیزوں اور تعلق والوں کے ساتھ کیوں نہ ہوتا جن کے احسان سے آپ کا رواں رواں تر تھا۔

سیر العارفین میں ہے کہ حضرت شیخ نجیب الدین متوکل کے نواسے خواجہ عطا اللہ ایک لاابالی و بیباک آدمی تھے۔ ایک دن قلم دوات اور کاغذ لیکر آئے اور کہا کہ میرے لئے فلاں سردار کو ایک سفارشی خط لکھ دیجئے۔ تاکہ وہ مجھے کوئی اچھی رقم دیدے۔ شیخ نے فرمایا کہ نہ میری اس سردار سے کبھی ملاقات ہوئی ہے نہ وہ کبھی یہاں آیا ہے جس شخص سے بالکل جان پہچان نہ ہو اس کو رقعہ کس طرح لکھا جائے؟ صاحبزادے کو غصہ آگیا اور انھوں نے سخت سست کہنا شروع کیا کہ ہمارے ہی نانا کے مرید ہو اور ہمارے ہی خاندان کا صدقہ پا یا ہے۔ اب ایسے احسان فراموش ہو گئے ہو کہ میرے لئے ایک رقعہ بھی تم سے نہیں لکھا جاتا۔ یہ تم نے کیا پیری مریدی کا جال بچھا یا ہے اور خلق خدا کو دھوکہ دے رہے ہو؟ یہ کہہ کر دوات زمین پر پٹک دی اور اٹھ کر چلے۔ حضرت نے دامن پکڑ لیا اور فرمایا کہ ناراض ہو کر کیوں جا رہے ہو۔ خوش ہو کر جاؤ۔ اس کے بعد ایک رقم سامنے رکھی اور رضامند کر کے رخصت کیا۔[1]

---

[1] سیر العارفین (قلمی)

marfat.com

پردہ پوشی ونکتہ نوازی

سیر الاولیاء میں ہے کہ اکثر معمول تھا کہ جو لوگ باہر سے آتے وہ کوئی شیرینی یا تحفہ خرید کر اپنے ساتھ لاتے اور پیش کرتے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگ اِسی ارادہ سے آرہے تھے۔ ایک مولوی صاحب بھی ساتھ تھے۔ انھوں نے سوچا کہ لوگ مختلف تحائف پیش کریں گے اور وہ اکٹھا حضرت کے سامنے رکھیں گے۔ خادم سب کو اٹھا کر لے جائے گا۔ کیا پتہ چلے گا کہ کون کیا لایا؟ انھوں نے تھوڑی سی مٹی راستہ سے اٹھا کر کاغذ میں باندھ لی۔ جب سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہر ایک نے اپنی چیز سامنے رکھی۔ مولوی صاحب نے بھی اپنی پڑیا سامنے رکھ دی، خادم وہ سب چیزیں اٹھا کر لے جانے لگا، پڑیا کو بھی اٹھانا چاہا۔ حضرت نے فرمایا: "اس کو یہیں چھوڑ دو، یہ میری آنکھ کا سرمہ ہے۔" یہ اخلاق و عالی ظرفی دیکھ کر ان عالم صاحب نے توبہ کی اور مرید ہوئے [1]

شفقت وتعلق

اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہؒ کو عام انسانوں اور خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں اور اپنے اہلِ تعلّق کے ساتھ ایسی شفقت و محبّت عطا فرمائی تھی جس کو اگر ماں کی شفقت سے تشبیہ یا اس پر بھی ترجیح دی جائے تو واقعات

[1] سیر الاولیاء، ص ۱۴۲

marfat.com

کے لحاظ سے اس میں کوئی مبالغہ اور شاعری نہ ہوگی۔ شیوخِ کاملین کی یہ شفقت دراصل نبیؐ کی اُس شفقت کی وراثت اور نیابت ہے جس کی حقیقت اس آیت میں بیان کی گئی ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

. . . . . .

(التوبہ ع ۱۶)

اے لوگو! تمہارے پاس ایسا پیغمبر آیا جو تمہاری جنس سے ہے جس کو تمہاری تکلیف و مضرت کی بات گراں گذرتی ہے جو تمہاری منفعت کا بڑا خواہش مند رہتا ہے ایمانداروں کے ساتھ بڑا ہی شفیق و مہربان ہے۔

اور اس حکم کی تعمیل ہے جس کا خطاب رسولؐ سے ہے۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

(شعراء ع ۱۱)

اُن لوگوں کے ساتھ فروتنی کے ساتھ پیش آؤ جو مسلمانوں میں داخل ہو کر تمہاری راہ پر چلیں۔

اس شفقت اور تعلق نے وہ "اتحاد" پیدا کر دیا تھا کہ دوسروں کی جسمانی اذیت سے اپنے کو جسمانی طور پر اذیت اور دوسروں کی قلبی راحت سے اپنے کو قلبی راحت ملتی تھی۔ امیر حسن علاء سنجری راوی ہیں کہ ایک مرتبہ مجلس ہو رہی تھی سایہ میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے بعض لوگ دھوپ میں بیٹھے تھے۔ آپ نے سایہ میں بیٹھنے والوں

marfat.com

سے فرمایا۔ "بھائی ذرا مل کر بیٹھو تاکہ ان بھائیوں کیلئے بھی جگہ ہو جائے۔ دھوپ میں یہ بیٹھے ہیں اور میں جلا جا رہا ہوں۔"

ایک مرتبہ آپ نے کسی بزرگ کا مقولہ نقل کیا جو درحقیقت اپنے ہی حال کی ترجمانی تھی کہ "خدا کی مخلوق میرے سامنے کھانا کھاتی ہے اور میں اس کھانے کو اپنے حلق میں پاتا ہوں۔ جیسے وہ کھانا میں ہی کھا رہا ہوں۔"[2]

امیر حسن علاء سنجری فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بے وقت حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ میں اس طرف عزیزوں سے ملنے آیا ہوا تھا۔ حاضری کو جی چاہا۔ بعض دوستوں نے کہا کہ اگر کوئی شخص کسی اور کام سے آیا ہو اور شروع سے حاضری کی نیت نہ کی ہو تو شیخ کی خدمت میں نہیں حاضر ہونا چاہیئے۔ میں نے دل میں کہا کہ اگرچہ قاعدہ یہی ہے لیکن دل نہیں مانتا کہ یہاں آکر حضرت کی زیارت کئے بغیر واپس چلا جاؤں۔ میں آج قاعدہ کے خلاف ہی کروں گا۔ حضرتؒ نے فرمایا۔ "اچھا کیا پھر یہ شعر پڑھا ؎

در کوئے خرابات و سرائے او باش
منعے نبود بیاو بہ نشیں و بہ باش

---

[1] فوائد الفواد ص۹۱

[2] سیر الاولیاء ص۷۷

marfat.com

پھر فرمایا کہ مشائخ کا معمول یہی ہے کہ کوئی ان کے پاس اشراق سے پہلے اور عصر کی نماز کے بعد نہیں جاتا۔ لیکن میرے یہاں یہ قاعدہ نہیں جس وقت جس کا جی چاہے آئے۔[1]

غمخواریٔ عام

یہ اہلِ قلوب غمِ دنیا سے فارغ البال لیکن دنیا والوں کے غم اور خلقِ خدا کی فکروں سے نڈھال اور خستہ حال رہتے ہیں۔ وہ اپنا غم بھلا دیتے ہیں اور ساری دنیا کا غم اپنا غم بنا لیتے ہیں یہ کہنے کا حق درحقیقت انھیں کو ہے کہ ؎

سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

خواجہ نصیر الدّین چراغ دہلیؒ کے نواسے خواجہ شرف الدّین سے کسی مجلس میں کسی صوفی نے کہا کہ خواجہ نظام الدّینؒ عجب فارغ البال بزرگ ہیں۔ مجرد ہیں۔ اہل وعیال واطفال کا کوئی تردد ان کو نہیں ہے۔ ان کو ایسا فراغِ خاطر حاصل ہے کہ ایک ذرہ غم بھی ان کو چھو نہیں گیا ہے۔ وہ عزیز اُس مجلس سے اٹھے تو حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چاہتے تھے کہ خود اس کا ذکر کریں حضرت خواجہؒ نے خود ہی ارشاد فرمایا۔

میاں شرف الدّین وہ رنج وغم جو میرے دل کو وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے شاید ہی کسی دوسرے شخص کو اس سے زیادہ ہوتا

---

[1] فوائد الفواد (ج ۱)، ص ۹۸

marfat.com

ہو۔ جو شخص میرے پاس آتا ہے اپنا حال مجھ سے بیان کرتا ہے۔ اس سے دو چند فکر و تردد اور غم و الم مجھے ہوتا ہے بڑا سنگدل ہے وہ جس پر اپنے دینی بھائی کا غم اثر نہ کرے اس کے علاوہ یہ جو کہا گیا ہے۔ اَلْمُخْلِصُوْنَ عَلٰی خَطَرٍ عَظِیْمٍ۔ (مخلصین کو بڑا خطرہ درپیش رہتا ہے۔) اس سے بھی سمجھ سکتے ہو کہ۔ ع

نزدیکاں را بیش بود حیرانی[1]

حضرت خواجہؒ کے نزدیک مسلمان کا دل خوش کرنا اور اس کی دلجوئی و راحت رسانی افضل ترین عمل اور تقرب الی اللہ کا بہترین ذریعہ تھا۔ سیر الاولیاء میں ہے کہ فرمایا۔

"مجھے خواب میں ایک کتاب دی گئی اس میں لکھا تھا کہ جہاں تک ہو سکے دلوں کو راحت پہونچاؤ کہ مومن کا دل اسرارِ ربوبیت کا مقام ہے۔" کسی بزرگ نے خوب کہا ہے۔ ؎

می کوش کہ راحت بجانے برسد یا دستِ شکستہ بنانے برسد

(کوشش کرو کہ کسی انسانی جان کو تم سے آرام پہونچے۔ یا جو دست شکستہ ہے اس کو تمہارے ذریعہ سے روٹی ملے)

[1] سیر العارفین (قلمی)

marfat.com

ایک مرتبہ فرمایا کہ۔

"قیامت کے بازار میں کسی سودے کی اتنی قیمت اور چلن نہ ہوگا جتنا دل کا خیال رکھنے اور دل خوش کرنے کا۔"[1]

چھوٹوں پر شفقت

حضرت خواجہؒ اپنے قیمتی مشاغل اور اعلیٰ کیفیاتِ باطنی کے ساتھ بچوں اور چھوٹوں پر بڑے شفیق تھے۔ اور وہ اپنی شدید مصروفیت کے باوجود ان کی دلجوئی و ملاطفت کیلئے وقت نکال لیتے تھے۔ ان عظیم ذمہ داریوں اور باطنی مشغولیت کے باوجود ان بچوں کی پوری رعایت فرماتے اور چھوٹی چھوٹی باتوں کا دھیان رکھتے۔

خواجہ رفیع الدین ہارون آپ کے حقیقی بھانجے کے صاحبزادے تھے۔ اگر کبھی کھانے کے وقت وہ موجود نہ ہوتے تو اگرچہ بڑے بڑے بزرگ دسترخوان پر بیٹھے ہوتے۔ لیکن آپ ان صاحبزادے کا انتظار کرتے۔ آپ اپنے بچے کی طرح خلوت و جلوت میں ان کی تربیت و دلداری فرماتے۔[2]

خواجہ رفیع الدین کو تیر و کمان اور پیراکی و کشتی کا بڑا شوق تھا۔ حضرت سلطان المشائخ بڑی شفقت کے ساتھ ان سے انھیں فنون کی باتیں کرتے تھے۔ ان کی ہمت افزائی اور تشویق فرماتے۔ ان

---

[1] سیر الاولیاء صفحہ ۱۲۸   [2] ایضاً صفحہ ۲۰۳

marfat.com

فنون کی باریکیوں اور نکتوں کی تعلیم دیتے تاکہ یہ خوش ہوں[1]۔

جو شریف النسب اور ذی استعداد نوجوان اپنے زمانہ کے شوقین لوگوں کے جیسا لباس پہنتے اور ان میں نوجوانی کے تقاضے سے لباس میں تجمل پیدا ہوتا۔ (جس کو بعض سخت گیر ثقاہت و متانت کے خلاف سمجھ کر اعراض کرتے ہیں) حضرت خواجہ ان کی بھی دلجوئی فرماتے اور اس کو جوانی اور زمانہ کا تقاضا سمجھ کر نظر انداز فرماتے۔ اور اپنے اخلاق و محبت سے ان کی اصلاح اور تربیت کی کوشش فرماتے۔

سیر الاولیاء کے مصنف امیر خورد لکھتے ہیں کہ میرے چچا سید حسین کرمانی کی نوجوانی کا زمانہ تھا۔ وہ اس زمانہ کے شوقین نوجوانوں کے لباس اور وضع میں ایک روز تشریف لائے۔ حضرت خواجہؒ نے ان کو دیکھ کر فرمایا۔

سیّد بیا و بہ نشیں و سعادت ببر[2] سیّد آؤ، بیٹھو اور سعادت میں حصہ لو

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس شفقت و ملاطفت اور اس دلجوئی و دلنوازی سے کتنے نوجوانوں کی اصلاح و تربیت ہوئی ہوگی۔ اور کتنے "آہوئے وحشی" اسیرِ دامِ محبت ہوئے ہوں گے۔ اور ان کا شمار خدا کے مقبول بندوں اور شیوخ کاملین میں ہوا ہوگا۔

---

[1] سیر الاولیاء ص ۲۰۳

[2] سیر الاولیاء ص ۲۰۳

marfat.com

حضرت خواجہؒ کے ان اخلاق وصفات اور صوفیۂ صافیہ کی سیرت کو دیکھ کر امام غزالیؒ کی اس رائے اور شہادت کی تصدیق ہوتی ہے جس کا انھوں نے "تلاش حق" کے طویل سفر اور مختلف گروہوں اور انسانی طبقات کے عمیق مطالعہ کے بعد اظہار کیا ہے۔

"مجھے یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ صوفیہ ہی اللہ کے راستہ کے سالک ہیں۔ ان کی سیرت بہترین سیرت، ان کا طریق سب سے زیادہ مستقیم اور ان کے اخلاق سب سے زیادہ تربیت یافتہ اور صحیح ہیں۔ اگر عقلاء کی عقل، حکماء کی حکمت اور شریعت کے رمز شناسوں کا علم مل کر بھی ان کی سیرت و اخلاق سے بہتر لانا چاہے تو ممکن نہیں، ان کے تمام ظاہری و باطنی حرکات و سکنات مشکوٰۃِ نبوت سے ماخوذ ہیں۔ اور نورِ نبوت سے بڑھ کر روئے زمین پر کوئی نور نہیں جس سے روشنی حاصل کی جائے۔"[1]

---

[1] المنقذ من الضلال

marfat.com

باب سوم

اذواق وکیفیات

محبّت وذوق

حضرتِ خواجہ کی سیرت اور زندگی کا مرکزی نقطہ جو اُن کے تمام اخلاق واحوال و اعمال کا محور ہے وہ عشقِ الٰہی کی نعمتِ خداداد ہے۔ جو اُن میں ابتدائے حال سے نمایاں تھی۔ محبّت کی یہ چنگاری جو ازل سے ان کی فطرت میں ودیعت تھی۔ شیخ کبیر کی صحبت اور طریقۂ چشتیہ کی نسبت سے شعلۂ جان سوز بن گئی اور اس نے مدت العمر اُن کو، اور نصف صدی سے زائد دہلی اور اس کے ماحول کو گرم اور منور رکھا اور اس کی وجہ سے صدیوں تک ہندوستان کی فضا عشقِ الٰہی کی حرارت سے گرم اور گداز رہی۔ ان کے تمام حالات واشغال گفتگو اور مجالس، اشعار اور ان کے انتخاب، واقعات اور ان کی تمثیل، غرض ہر چیز سے اسی سوزِ باطن اور اسی حرارتِ عشق کا اظہار ہوتا ہے۔ ؎

شعلہا آخر زہر مویم دمید　　از رگ اندیشہ ام آتش چکید

marfat.com

فوائدالفواد میں ہے کہ ایک روز اولیاء اللہ کے دم واپسیں کے واقعات بیان ہو رہے تھے۔ حاضرین میں سے ایک نے ایک بزرگ کی حکایت بیان کی کہ ان کا انتقال ہو رہا تھا اور آہستہ آہستہ اللہ کا نام ان کی زبان پر جاری تھا۔ حضرت خواجہؒ آبدیدہ ہو گئے اور یہ رباعی پڑھی۔ ؎

آیم بسر کوئے تو پویاں پویاں | رخسارہ بآب دیدہ شویاں شویاں
بیچارہ زوصل تو جویاں جویاں | جاں می دہم و نام تو گویاں گویاں[1]

(ترجمہ) آپ کی گلی میں چلا آ رہا ہوں خراماں خراماں، آنسوؤں سے اپنے رخسار کو دھوتا ہوں، آپ کے وصل کا جویا اور طالب بن کر، جان بھی دے رہا ہوں، آپ کا نام بھی لیتے جا رہا ہوں)

اس محبّت کا نتیجہ یہ تھا کہ دل میں محبوب کے سوا کسی کے خیال کی جگہ نہیں رہی تھی۔ کسی دوسری طرف توجہ بھی دل پر بار تھی۔

ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

امیر حسن علاء سنجری راوی ہیں کہ ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر کبھی اتفاق سے میں ان کتابوں کا مطالعہ کرنے لگتا ہوں جو میں نے پڑھی ہیں تو طبیعت میں وحشت پیدا ہونے لگتی ہے اور اپنے دل میں کہتا

---

[1] فوائدالفواد ص۸

marfat.com

ہوں کہ کہاں پڑ گیا؟ اس پر حضرت خواجہ ابو سعید ابوالخیر کا واقعہ بیان کیا کہ وہ کمالِ حال پر پہنچ گئے تو وہ کتابیں جو وہ پڑھ چکے تھے اور ان کو کونے میں رکھ دیا تھا ان کو سامنے رکھ کر ایک روز مطالعہ کرنے لگے۔ غیبی آواز آئی، اے ابو سعید ہمارا عہد نامہ واپس کر دے کہ اب تو دوسری چیز میں مشغول ہو گیا۔ خواجہؒ جب اس مقام پر پہنچے تو رو پڑے۔ اور یہ شعر پڑھا۔

توسایۂ دشمنے کجا در گنجی
جائے کہ خیال دوست زحمت باشد[1]

(ترجمہ) کسی دشمن کا سایہ بھی کہاں سما سکتا ہے جہاں دوست کا خیال بھی حجاب بنے۔)

اسی "سرورِ عشق" کا نتیجہ یہ تھا کہ شب کی خلوت اور رات کے راز و نیاز کے بعد جب دن میں تشریف لاتے تو بقول امیر خورد معلوم ہوتا کہ شراب چھلک رہی ہے۔ رات کی بیداری سے آنکھیں سُرخ ہوتیں امیر خسرو نے یہی دیکھ کر کہا ہے۔ ؎

تو شبانہ می نمائی بہ برے کہ بودی امشب
کہ ہنوز چشم مستت اثرِ خمار دارد[2]

اور اسی حرارتِ عشق اور سُرور و مستی کا نتیجہ تھا کہ پیرانہ سالی میں برابر

---

[1] فوائد الفواد ص۹ [2] سیر الاولیاء ص۱۲۸

marfat.com

روزہ رکھتے تقلیلِ غذا، طویل شب بیداری اور سخت مجاہدات کے باوجود ضعف و ناطاقتی ظاہر نہ ہوتی تھی۔ اسّی سال سے عمر مبارک متجاوز ہونیکے باوجود چہرے پر وہی سُرخی، اور نشاط و انبساط کی وہی کیفیت پائی جاتی تھی جو جوانی میں رہی ہوگی بلکہ اس میں روز افزوں اضافہ تھا۔ (سیر الاولیاء)

سماع[1] محبت کی یہی حرارت اور تپش تھی جس کی تسکین کا ایک ذریعہ سماع تھا۔ یعنی عشقِ الٰہی کے اشعار اور عارفانہ

---

[1] مسئلہ سماع (بلا مزامیر) کی مخالفت موافقت میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ اس میں نقطۂ اعتدال یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہ وہ مطلقاً حرام ہے نہ کوئی عبادت و طاعت و امرِ مقصود، اعتدال اور خاص شرائط کیساتھ ایک تدبیر و علاج ہے اور اصحاب ضرورت و اہلیت کیلئے بقدرِ ضرورت مباح اور بعض اوقات مفید اس سلسلہ میں مشہور چشتی شیخ قاضی حمید الدین ناگوری کا قول بڑا جامع و معتدل معلوم ہوتا ہے۔ ایک مجلس میں سماع کی حلت و حرمت پر بحث تھی۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ

"میں ہوں حمید الدین کہ سماع سنتا ہوں اور مباح کہتا ہوں علماء کی روایت کی بناء پر اس لئے کہ دردِ دل کا مریض ہوں اور سماع اس کی دوا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے شراب سے علاج کرنے کی ایسے وقت میں اجازت دے دی ہے جبکہ ازالۂ مرض کیلئے اور کوئی دوا ہی نہ ہو۔ اور حکیموں کا بھی اس پر اتفاق ہو کہ صحت شراب کے بغیر ناممکن ہے۔ اس تقدیر پر میرے مرض کی دوا جو کہ لاعلاج ہے سرود کا سننا ہے لہٰذا اس کا سننا ہمارے لئے مباح اور تم پر حرام ہے"۔ (سیر الاقطاب قلمی)

marfat.com

ابیات کا سننا جس سے قلب کو اپنی آنچیں نکالنے اور آنسوؤں کے چھینٹوں سے اس کی گرمی کو کم کرنے کا موقع ملے اور اسی کے ساتھ مجاہدات سے تھکا ہوا جسم اور طبیعت، اور نفی کی چوٹ کھایا ہوا دماغ غذا اور تازگی حاصل کر سکے۔ مولانا روم رح جو ایک بڑے صاحبِ سماع تھے۔ اسی لئے فرماتے ہیں۔ ؎

پس غذائے عاشقاں آمد سماع
کہ از و باشد خیالِ اجتماع

قوتے گیرد خیالاتِ ضمیر
بلکہ صورت گردد از بانگِ صفیر

آتش عشق از نواہا گرد تیز
آں چنانکہ آتش آں جوزد ریز

خود حضرت خواجہ رح نے اپنی زبان سے سماع کی یہی حکمت بیان کی ہے۔

سماع حق مریدان و معتقدان
واصحابِ ریاضت است
چوں نفس و تن ہلاک شود
او را حق الیست ۔۔۔۔۔
اِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا

سماع مریدینِ صادقین اور اہلِ عقیدت اور اصحابِ ریاضت کا کام ہے۔ جب طبیعت اور جسم پوری چوٹ کھا جائے تو ان کا حق ہے (کہ سماع سے قوت و تازگی حاصل کریں) حدیث میں آتا ہے کہ اِنَّ لِنَفْسِكَ

بدرستی کہ برائے نفس برابر
تو حق است چوں زبانے
از سماع بیاساید باز او را

عَلَيْكَ حقًّا۔ تمہارے اوپر
تمہارے جسم کا حق ہے۔ جب
ایک مدت تک نفس سماع کے

marfat.com

بر کارے بہ بزنگ؎۔

ذریعہ آرام حاصل کر لیتا ہے تو پھر اس کو کام میں لگاتے ہیں۔

ایک بزرگ مولانا کاشانیؒ فرماتے ہیں۔

اصحابِ ریاضت وارباب مجاہدہ از کثرتِ معاملات گاہ گاہ اتفاق افتد کہ کلالتے و ملالتے در قلوب و نفوس حادث شود و قبض و بسطے کہ موجب فتور اعمال و قصور احوال بود طاری گردد پس مشائخ متاخر از برائے رفع ایں عارضہ و دفع ایں حادثہ ترکیبے روحانی از سماع اصوات طیبہ والحان متناسبہ و اشعار مہیجہ و مشوقہ بر وجہے کہ مشروع بود

اصحاب ریاضت وارباب مجاہدہ کے قلوب ونفوس احوال وکیفیات کے کثرت سے پیش آنے کی وجہ سے کبھی کبھی اکتا جاتے ہیں اور ان کو تکان وضعف محسوس ہونے لگتا ہے اور ان پر وہ قبض وبسط جو اعمال و احوال میں سستی اور کوتاہی کا باعث ہوتا ہے طاری ہو جاتے ہیں۔ اس بنا پر مشائخ متاخرین نے اچھی آوازوں متناسب نغموں اور شوق انگیز اشعار کے سننے کو اس طرح پر کہ حدودِ شرع

؎ سیر الاولیاء ص ۱۹۸

نمودہ اند۔[1] سے باہر نہ ہوں ایک علاجِ روحانی کے طور پر تجویز کیا ہے۔

سماع کی اس حکمت کے علاوہ اس کی ایک دوسری حکمت ان حضرات کے نزدیک یہ تھی کہ اس سے حضوری کی ایک کیفیت درد کی لذت اور ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ لمحات بقیہ اوقات کو بھی اپنے دامن میں لیکر پاک اور نورانی بنا دیتے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ۔

مردم را ہمہ روز حضور کجا	فرمایا آدمی کو ہر روز حضوری
میسّر شود اگر در روزے	کہاں میسّر آتی ہے اگر کسی دن کوئی
وقتے خوش دریافت ہمہ	وقت اچھا ہاتھ آجائے تو اس دن
اوقات متفرقہ آں روز در	کے تمام متفرق اوقات اس وقت
پناہ آں وقت باشد	کی پناہ میں ہوتے ہیں۔ دیکھو اگر
و اگر در جمعے صاحبِ	کسی مجمع میں ایک صاحبِ
ذوقے و صاحبِ نعمتے	ذوق اور صاحبِ نعمت
باشد، جملہ اشخاص در پناہ	ہوتا ہے تمام حاضرین اس کی
آں شخص باشد۔[2]	پناہ میں ہوتے ہیں۔

پس یہ سماع، حضرت خواجہؒ اور ان مشائخ کی (جو اسی کیفیت کے حامل

---

[1] مصباح الہدایت ص۱۸۰ و ص۱۸۲

[2] سیر الاولیاء ص۵۲۳

marfat.com

اور آتشِ محبت سے جل رہے ہوں) طبعی کیفیت کا نتیجہ، تسکین کا سامان قوت و غذا اور رقت و حضوری کا ذریعہ تھا۔ جس کو وہ حضرات علاجاً اور ضرورتاً اختیار کرتے تھے اور علاج و ضرورت کے بقدر ہی اس سے کام لیتے تھے نہ وہ کوئی عبادت، تقرب الی اللہ کا ذریعہ تھا، نہ مستقل سلوک اور شب و روز کا مشغلہ تھا۔

اسی کے ساتھ حضرت خواجہؒ نے سماع کو ان تمام خلافِ شرع منکرات و بدعات اور اسبابِ لہو و لعب سے جو غیر مسلموں کے اثر سے خاص طور پر ہندوستان میں اہلِ ہوا نے خام کار صوفیوں نے سماع میں شامل کر لئے تھے خود بھی دور رکھا اور اپنے متبعین کو ان سے اجتناب کی انتہائی تاکید فرمائی ہے۔ آپ نے سماع کے آداب اس طرح بیان فرمائے۔

آپ نے فرمایا۔

"سماع کی چار قسمیں ہیں۔ حلال، حرام، مکروہ، مباح۔ اگر صاحبِ وجد کا میلان محبوبِ حقیقی کی طرف زیادہ ہے تو سماع مباح ہے۔ اور اگر محبوبِ مجازی کی طرف زیادہ ہے تو مکروہ ہے اگر محبوبِ مجازی کی طرف میلانِ کلی ہے تو حرام ہے۔ اگر محبوبِ حقیقی کی طرف میلانِ کلی ہے تو حلال ہے۔ پس جس کو سماع کا ذوق ہے اس کو چاہیئے کہ وہ ان چاروں درجوں کو جانتا ہو۔"

marfat.com

نیز ارشاد فرمایا کہ۔

' سماع مباح کیلئے چند چیزیں چاہئیں۔ مسمع (سنانیوالا) مستمع (سننے والا) مسموع جو کچھ پڑھا جارہا ہو) آلۂ سماع (ذریعہ) مسمع کیلئے شرط یہ ہے کہ وہ پوری عمر کا آدمی ہو، کم سن نہ ہو، عورت نہ ہو، مستمع کیلئے ضروری ہے کہ جو کچھ وہ سن رہا ہے وہ یاد حق سے خالی نہ ہو، مسموع کیلئے شرط ہے کہ وہ بے حیائی اور ہنسی مذاق کا کلام نہ ہو، آلۂ سماع سے مراد مزامیر ہے۔ جیسے چنگ و رباب کہ یہ درمیان میں شامل نہ ہو۔[1]

مزامیر سے نفرت و ممانعت

حضرت خواجہؒ مزامیر (آلات غنا اور رباب وغیرہ) سے سختی سے منع فرماتے تھے اور جب کبھی اس بارے میں کسی بے احتیاطی کی اطلاع ملتی تو نہایت ناراض ہوتے اور اس بارے میں کسی عذر کو قبول نہ فرماتے۔ سیر الاولیاء میں ہے۔

"مجلس میں ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت سلطان المشائخ سے عرض کیا کہ ان دنوں بعض حاضر باش درویشوں نے ایک ایسی مجلس میں جس میں چنگ و رباب اور مزامیر تھے شرکت کی اور رقص کیا۔ فرمایا۔ اچھا نہیں کیا۔ جو خلافِ شرع ہے وہ ناپسندیدہ ہے۔ اس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ یہ لوگ

---

[1] سیر الاولیاء۔ ص۴۹۱ و ص۴۹۲

marfat.com

جب باہر آئے اور لوگوں نے ان سے کہا کہ یہ آپ نے کیا کیا، اس مجلس میں مزامیر تھے۔ آپ نے سماع کس طرح سنا اور رقص کیا؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم سماع میں ایسے مستغرق تھے کہ ہمیں کچھ پتہ نہیں چلا کہ مزامیر ہیں یا نہیں۔ حضرت سلطان المشائخ نے سنکر فرمایا کہ۔ یہ جواب بھی کچھ نہیں یہ بات تو ہر معصیت کے متعلق کہی جا سکتی ہے۔[1]"

حضرت خواجہؒ مزامیر کی ممانعت میں بڑی شدت اور مبالغہ فرماتے تھے۔ فرماتے تھے کہ۔

"جب عورت کو نماز میں امام کو غلطی پر متنبہ کرنے کیلئے دستک دیتے وقت اس کی ممانعت ہے کہ ہتھیلی پر ہتھیلی ماری جائے کہ اس سے تالی کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ لہو ہے جب لہو و لعب سے اتنا پرہیز آیا ہے تو سماع میں بطریقِ اولیٰ مزامیر کی ممانعت ہونی چاہیئے۔[2]

سماع میں آپ کی کیفیت

حضرت خواجہؒ فرماتے تھے کہ جس شخص کو اللہ نے درد و ذوق عطا فرمایا ہے اس کو بغیر مزامیر کے ایک ہی شعر سن کر رقت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن جسے عالمِ ذوق کی خبر نہیں اس کے سامنے پڑھنے

[1] سیر الاولیاء۔ ص۵۲۰ و ص۵۲۱ [2] ایضاً ص۵۲۲

marfat.com

والے کتنے ہی پڑھیں اور کیسے ہی مزامیر کیوں نہ ہوں اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ وہ اہل درد میں سے نہیں ہے۔ اس کام کا تعلق درد سے ہے نہ کہ مزامیر وغیرہ سے۔[1]

چنانچہ حضرت خواجہؒ کا حال یہ تھا کہ عارفانہ اور عاشقانہ اشعار سنتے ہی آپ پر سخت رقت طاری ہوتی، لیکن اس طرح کہ لوگوں کو خبر نہ ہوتی، خدام رومال دیتے جاتے اور وہ آپ کے آنسوؤں سے تر ہوتے جاتے، یہ دیکھ کر لوگ سمجھتے کہ آپ پر گریہ طاری ہے۔[2]

امیر خورد (جو خود بھی اپنی کمسنی میں ان مجالسِ سماع میں شریک ہوتے تھے اور زیادہ تر اپنے والد اور چچا سے ان پُرکیف مجلسوں اور ان وجد انگیز اشعار کا ذکر کرتے ہیں جو وہاں پڑھے گئے) کہتے ہیں کہ بعض مرتبہ بہت سے شعر پڑھے جاتے لیکن کیفیت نہ پیدا ہوتی، یکایک کوئی ہندی کا دوہا یا فارسی کا کوئی عاشقانہ شعر پڑھ دیتا اور مجلس مکیّف ہو جاتی۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شاہی امیر قیربک نے ایک مجلس آراستہ کی، مشائخ وصدور شہر کا اجتماع تھا۔ سماع شروع ہوا، کہنے والے بہت کچھ سناتے رہے کچھ اثر نہیں ہوا۔ آخر حسن بہدی قوال نے یہ شعر پڑھا۔ ؎

در کلبۂ درویشی در محنت بے خویشی
بگذار مرا با من ہر سوئے مکن افسانہ

---

[1] سیر الاولیاء، ص ۵۲۲ [2] ایضاً ص ۵۱۴

marfat.com

اس شعر کا پڑھنا تھا کہ حضرت سلطان المشائخ پر گریہ اور ایک حالت طاری ہوئی اور اس کیفیت کا تمام حاضرینِ مجلس پر اثر ہوا اور سب مکیف ہوتے ہے[۱]

ایک دوسری مجلس کا ذکر ہے۔ بالاخانہ پر مجلس ہو رہی تھی، امیر خسرو کھڑے تھے اور سلطان المشائخ ناسازیٔ طبع کی وجہ سے چارپائی پر تشریف رکھتے تھے حسن سہدی نے سعدیؒ کا یہ شعر پڑھا۔ ؎

سعدی تو کیستی کہ در آئی دریں کمند
چنداں فتادہ اند کہ ما صبر لا غریم

حضرت خواجہؒ پر گریہ طاری ہوا۔ اور اس میں ڈوب گئے۔ خواجہ اقبال رومال بڑھاتے جاتے تھے اور آپ آنسو پوچھ کر حسن سہدی کی طرف ان کو بڑھاتے تھے کچھ دیر کے بعد سماع ختم ہوا۔ امیر حاجی فرزند امیر خسرو نے امیر خسرو ہی کی غزل پڑھنی شروع کی جس کا ایک شعر یہ تھا۔ ؎

خسروؔ تو کیستی کہ در آئی دریں شمار
کیں عشق تیغ بر سر مردانِ دین زدہ است

حضرت خواجہؒ پر پھر وہی کیفیت طاری ہوئی اور گریہ کا غلبہ ہوا۔[۲]

ایک مرتبہ امیر خسرو نے غزل پڑھی جس کا مطلع تھا۔ ؎

رخ جملہ را نمود مرا گفت تو مبیں
زیں ذوق مست بیخبرم کیں سخن چہ بود

---

۱ سیر الاولیاء ص۵۱۴ ۲ ایضاً ص۵۱۵

آپ نے گوشۂ چشم سے امیر خسرو کو دیکھا اور کیفیت طاری ہوئی[1]۔

عام طور پر جس شعر پر حضرت خواجہؒ کو ذوق آتا تھا۔ دہلی کی مجلسوں اور شہر کی گلیوں میں عرصہ تک اس کا چرچا رہتا تھا اور لوگ اُس سے لطف لیتے اور ذوق حاصل کرتے رہتے تھے[2]۔ سلطان علاء الدین نے بھی اہل دربار اور حضرت خواجہؒ کے یہاں آنے جانے والوں کو تاکید کر رکھی تھی کہ جس شعر پر حضرت خواجہؒ کو ذوق آئے اس کو یاد رکھا جائے اور بادشاہ کو سُنایا جائے۔ اکثر جب بادشاہ نے وہ شعر سُنا جس پر حضرت خواجہؒ کو ذوق آیا تھا تو بڑی تعریف کی اور دیر تک ذوق لیتا رہا۔

ذوقِ قرآن

قرآن مجید کا ذوق، اس کے حفظ کا اہتمام اور تلاوت کی کثرت مشائخ چشت کا خصوصی ذوق اور ان کی قدیم روایت ہے۔ خواجۂ بزرگ معین الدین چشتیؒ سے لے کر حضرت خواجہ نظام الدینؒ تک سب کے یہاں قرآن مجید کا خصوصی ذوق اور شغف ملتا ہے۔ اور ہر ایک نے اپنے خلفاء خاص اور مریدین کو حفظِ قرآن اور اشتغال بالقرآن کی تاکید کی ہے[3]۔

خلافت دیتے وقت شیخ کبیرؒ نے حضرت خواجہ کو حفظِ قرآن کی وصیت کی تھی۔ حضرت خواجہ نے یہ وصیت

---

[1] سیر الاولیاء، ص ۵۱۶ [2] ایضاً ص ۵۱۰

[3] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ "مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت" از مولانا مناظر احسن گیلانی (جلد دوم) ۱۲

marfat.com

پوری کی اور دہلی پہنچتے ہی اس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ حضرت خواجہؒ اپنے مریدین اور اصحابِ خاص کو بھی اس کی ترغیب دیتے رہتے تھے۔ اور تاکید فرماتے تھے۔ امیر حسن علا سنجری جب حضرت خواجہ سے متعلق ہوئے تو وہ بوڑھے تھے۔ اور شعر و شاعری زندگی بھر کا مشغلہ تھا۔ حضرت خواجہ نے ان کو ہدایت کی کہ قرآنی ذوق کو شعر و شاعری کے ذوق پر غالب کریں۔

امیر فوائد الفواد میں فرماتے ہیں۔

بار ہا از لفظ مبارک مخدوم شنیدہ ام می باید کہ قرآن خواندن بر شعر گفتن غالب آید۔[1]

بار ہا آں مخدوم کی زبان مبارک سے میں نے یہ لفظ سنے ہیں کہ چاہیئے کہ قرآن کا پڑھنا شعر کہنے پر غالب آجائے۔

پھر ان کو حفظ قرآن کی ہدایت ہوئی۔ انھوں نے ایک ثلث یاد کر لیا تو ارشاد ہوا۔

دیگر ہا اندک اندک یاد گیرو یاد گرفتہ بیشینہ مکرر می کن۔[2]

تھوڑا تھوڑا یاد کرو، اور اگلا یاد کیا ہوا دہراتے رہو۔

مولانا بدر الدین اسحاق کے صاجزادے خواجہ محمد حضرت خواجہ کی کفالت و پرورش میں تھے ان کو بھی قرآن مجید یاد کرایا۔ خواجہ محمد امام بڑے اچھے حافظ و خوش الحان تھے۔ ان کو آپ نے نماز کا امام بنایا تھا۔ ان کی قرأت

---

[1] فوائد الفواد ص ۲۴۹ [2] ایضاً ص ۹۳

سے آپ بڑے محظوظ ہوتے اور آپ کو ان کی قرأت سُن کر بڑی رقّت اور ذوق آتا۔[1] ان کے دوسرے بھائی خواجہ موسیٰ بھی حافظ و قاری تھے۔ معمول تھا کہ جب دسترخوان پر بیٹھتے تو پہلے خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ کچھ قرآن شریف پڑھتے اس کو دعاء مائدہ کہتے تھے۔[2] اس کے بعد کھانا شروع ہوتا اپنے نواسوں (خواہر زادہ کے صاحبزادگان) خواجہ رفیع الدین وغیرہ کو بھی قرآن حفظ کرایا۔[3] خود بھی نوافل میں قرآن شریف پڑھتے اور خاص خدام سے دریافت فرماتے کہ ان کا کیا معمول ہے؟

شیخ سے تعلق

یوں تو جو شخص جس سے کوئی نعمت پاتا ہے۔ (اگر اس کی طبیعت میں شرافت اور احسانمندی کا جذبہ ہے، اس کا گرویدہ ہوتا ہے اور اس کو اپنا محسن سمجھتا ہے۔ لیکن حضرت خواجہ کو اپنے مرشد سے عاشقانہ اور والہانہ تعلق تھا۔ اور ان کے اختصاص و امتیاز اور روحانی ترقیات میں اس کو خاص دخل تھا۔ اس محنت کا نتیجہ یہ تھا کہ جب کسی محبوب کی تعریف ہوتی تو ان کو اپنے شیخ کی یاد تازہ ہو جاتی اور وہ انھیں کو اس کا مصداق سمجھتے۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شیخ کی زندگی میں ایک مجلس میں قوال نے یہ شعر پڑھا۔ ؎

مخرام بدیں صفت مبادا کز چشم بدت رسد گزندی

---

[1] سیر الاولیاء، ص۲۰۰ [2] ایضاً ص۱۹۹

[3] سیر الاولیاء، ص۲۰۳

marfat.com

فرماتے ہیں کہ مجھے شیخ کے اخلاق واوصاف، ان کا فضل وکمال اور ان کی لطافت وزیبائی یاد آگئی۔ ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ بیان نہیں ہوسکتی، قوال نے چاہا کہ آگے بڑھے، میں نے بار بار وہی شعر پڑھوایا یہ ذکر کرکے آپ پر گریہ طاری ہوگیا۔ فرمایا اس کے بعد زیادہ دن نہیں گذرے کہ حضرتؒ نے انتقال کیا۔[1]

جماعت کا اہتمام اور بلند ہمتی

ضعف و پیری اور شدید مجاہدات کے باوجود جماعت سے نماز پڑھنے کا بے حد اہتمام تھا۔ صاحبِ سیر الاولیاء لکھتے ہیں۔

"عمر شریف اسّی سے متجاوز ہوگئی، جب بھی پانچوں وقت جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے بالاخانہ سے (جو بہت بلند تھا) جماعت خانہ میں اتر کر ان درویشوں اور ساتھیوں کے ساتھ جو وہاں موجود ہوتے تھے جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے۔ اس کبر سنی کے باوجود ہمیشہ روزہ رکھتے، کم افطار کرتے۔[2]"

---

[1] فوائد الفواد ص۹۶

[2] سیر الاولیاء ص۱۲۵

marfat.com

شریعت کی پابندی اور اتباعِ سنّت کا اہتمام

حضرت خواجہؒ خود بھی اتّباعِ سنّت کا اہتمام بلیغ رکھتے تھے۔ کہ بقولِ سعدیؒ۔ ؎

محال است سعدی کہ راہِ صفا
تواں رفت جز در پئے مصطفٰے

اور اپنے اصحاب و خدام کو بھی بڑی تاکید فرماتے تھے۔ سنن کے علاوہ تاکید تھی کہ مستحباب و آداب تک فوت نہ ہوں۔ سیر الاولیاء میں آپ کا ارشاد منقول ہے۔

استقامت می باید کہ برمتابعتِ رسول علیہ السّلام والصّلوٰۃ باشد و ہیچ مستحبے و آدابے فوت نہ شود۔[1]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی و اتباع پر مضبوطی و ثابت قدمی دکھانی چاہیئے اور کوئی مستحب اور ادب بھی فوت نہ ہونے پائے۔

مشائخ کے لئے اور جس کو پیری مریدی کرنا ہو شریعت کا علم ضروری سمجھتے تھے۔ تاکہ اس سے کوئی عمل خلاف شریعت نہ صادر ہو۔ نہ دوسرے کو کسی خلاف شرع امر کی تلقین کرے۔ فرماتے ہیں۔

---

[1] سیر الاولیاء، ص۳۱۸

marfat.com

پیر آں چناں باید کہ در احکامِ شریعت وطریقت وحقیقت عالم باشد وچوں ایں چنیں باشد او خود ہیچ نامشروع نہ فرماید۔[1]

پیر ایسا چاہیئے کہ احکامِ شریعت وطریقت وحقیقت کا (ضروری) علم رکھتا ہو، اور جب ایسا ہوگا تو وہ کسی خلافِ شرع کام کے لئے نہ کہے گا۔

---

[1] فوائد الفواد ص۱۴۷

marfat.com

باب چہارم

افادات و تحقیقات

علمی پایہ

حضرت خواجہؒ باطنی کمالات کے ساتھ علوم ظاہری میں بھی بلند پایہ رکھتے تھے۔ اپنے زمانہ کے تمام مروجہ علوم کو بلند ہمتی، محنت اور اہتمام سے پڑھا تھا۔ ان کے اساتذہ میں اس عہد کے نامور ترین فضلاء اور شیوخ ہیں۔ ادب اور علومِ دینیات کی تعلیم انھوں نے مستوفی الممالک شمس الملک مولانا شمس الدین خوارزمی سے پائی تھی۔ حدیث کا درس مولانا کمال الدّین زاہد محمد ابن احمد ماریکلی سے لیا۔ جو صاحبِ مشارق الانوار امام حسن ابن محمد الصّغانی کے شاگرد اور بیک واسطہ صاحب ہدایہ کے شاگرد تھے۔ کچھ کتابوں کو شیخ کبیر حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ سے پڑھ کر علم میں مزید جلاء حاصل کی۔

علمی و ادبی مناسبت

اگرچہ اپنی مناسبتِ فطری اور شیخ کی نسبت باطنی کے اثر سے روز بروز الفاظ کے مقابلہ میں معانی اور معانی کے مقابلہ میں حقائق

marfat.com

واحوال اور "اسم" سے زیادہ "مسمیٰ" میں مشغولیت بڑھتی گئی۔ پھر بھی علم وادب سے مناسبت اور علمی ذوق آخر تک قائم رہا۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ مولانا رکن الدین چغر نے کشّاف اور مفصل اور ان کے علاوہ بعض کتابیں حضرت سلطان المشائخ کی خاطر نقل کر کے خدمت میں پہنچائیں[1]۔ یہ دونوں کتابیں مشہور معتزلی فاضل علّامہ محمود جار اللہ زمخشری (متوفی ۵۳۸ھ) کی تصنیف ہیں پہلی کتاب تفسیر میں ہے اور دوسری نحو میں۔ اس سے بھی آپ کے علمی ذوق اور وسعتِ نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی سیر الاولیاء میں ہے کہ سیّد خاموش ابن سیّد محمد کرمانی مجلس خلوت میں خمسۂ نظامی حضرت خواجہ کی خدمت میں پڑھتے تھے[2]۔ آپ کا ادبی ذوق اتنا بلند اور پاکیزہ تھا کہ امیر خسرو جیسے سرآمد روزگار شاعر (جو اپنے طرز میں بے نظیر اور فارسی کے صف اوّل کے شعراء میں ہیں) کو شاعری میں مشورہ دیا اور رہنمائی فرمائی۔ سیر الاولیاء میں ہے کہ ابتداء میں امیر خسرو جو غزل کہتے تھے اس کو حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں بنظر اصلاح پیش کرتے تھے۔ ایک روز حضرت نے ان سے فرمایا کہ صفاہانیوں کے طرز میں کہا کرو[3]۔

حدیث دفقہ پر نظر

سلطان غیاث الدّین تغلق کے دربار میں مسئلہ سماع پر جو مجلس مناظرہ

---

[1] سیر الاولیاء، ص ۳۱۷ [2] ایضاً ص ۲۱۹ [3] ایضاً ص ۳۰۱

marfat.com

ہوئی تھی اس میں حضرت خواجہؒ نے مسئلہ پر جو تقریر کی اور اس کی تنقیح فرمائی اس سے بھی حضرت کے علمی مرتبہ اور وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔

ہندوستان میں حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کے عہد سے پہلے کتب صحاح متداول نہیں ہوئی تھیں اور صحیحین تک سے لوگ زیادہ مانوس اور آشنا نہیں تھے حدیث میں مشارق الانوار اور مشکوۃ سرمایہ علمی اور فن حدیث کا منتہیٰ سمجھی جاتی تھی[1]۔ بکثرت موضوع اور ضعیف احادیث صوفیوں کی زبان پر جاری اور بزرگوں کے ملفوظاتِ مجالس میں بے تکلف منقول ہیں۔ نقد حدیث اور موضوعات کا علم علّامہ محمد طاہر پٹنی سے پہلے یہاں نظر نہیں آتا۔ حضرت خواجہ کے ملفوظات اور سوانح سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ ایسی بہت سی بے اصل روایات سے (جو زبان زد خلائق ہیں) استدلال نہیں فرماتے تھے اور آپ کی اس پر نظر تھی کہ احادیث صحیحہ کا سب سے مستند مجموعہ صحیحین ہیں۔ فوائد الفواد میں ہے کہ کسی نے دریافت کیا کہ یہ حدیث کیسی ہے "اَلسَّخِیُّ حَبِیْبُ اللّٰہِ وَاِنْ کَانَ کَافِرًا" فرمایا کسی کا مقولہ ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ یہ اربعین (چہل حدیث) کی حدیث ہے۔ فرمایا۔ جو کچھ

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ الثقافۃ الاسلامیۃ فی الھند۔ کا باب حدیث۔

marfat.com

صحیحین میں ہے وہ صحیح ہے[1]۔

---

[1] فوائد الفواد ص۱۰۳

اس موقع پر اس کا اظہار ضروری ہے کہ باوجود اس کے کہ آپ صحیحین کے مرتبہ سے واقف تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحاح ستہ کے عام طور پر اور صحیحین کے خاص طور پر ہندوستان میں متداول نہ ہونے کی وجہ سے ان سے علماء و مشائخ کا اشتغال نہیں تھا۔ خود آپ نے بھی دا گر مجلس مناظرہ کی روئداد صحیح ہے) مجلس مناظرہ میں جن حدیثوں کو حلتِ سماع کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ وہ صحاح کی احادیث نہیں ہیں۔ اور محدثین کے نزدیک ان کا پایہ کچھ بلند نہیں ہے۔ فریق مقابل کے علماء نے بھی جو اکابر علماء اور اعیانِ قضاۃ میں سے تھے۔ جس طرح گفتگو اور استدلال کیا ہے۔ اس سے علمِ حدیث سے نہ صرف ان کی بے خبری کا ثبوت ملتا ہے بلکہ ایک عالم دین کو اس کے بارے میں جو رویہ اختیار کرنا چاہیئے۔ اس کی کمی کا بھی احساس ہوتا ہے۔ کتب صحاح اور نقد حدیث اور جرح وتعدیل کے فن کے شائع نہ ہونے کی وجہ سے خانقاہوں میں بہت سی ایسی رسوم یہاں تک کہ سجدۂ تعظیمی رائج تھیں۔ اور بہت سے ایسے اوقات وایام کے فضائل کی روایات مشہور تھیں اور مشائخ کے ملفوظات میں ان کا بڑی آب وتاب سے ذکر آتا ہے جن کا احادیث کے صحیح مجموعوں میں کوئی وجود نہیں اور محدثین ان پر سخت کلام کرتے ہیں۔ اس کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے حضرت محدثین اور مخلصین کی کوششوں کی قدر ہوتی ہے جنھوں نے ہندوستان میں فنِ حدیث کی اشاعت کی۔ اور صحیح وضعیف احادیث میں امتیاز پیدا کیا۔ شَکَرَاللّٰہُ مَسَاعِیَھُمْ

marfat.com

اہمیتِ علم

اپنے مشائخ کرام کی طرح آپ کی نظر میں بھی علم کی بڑی اہمیت اور عظمت تھی اور اس کو سالکین اور ان لوگوں کے لئے جو ارشاد و تربیت کا کام کریں آپ بہت ضروری سمجھتے تھے۔

بنگال کے ایک نہایت عالی استعداد نوجوان جو بعد میں اخی سراج الدینؒ کے نام سے مشہور ہوئے اور جو پنڈوہ کی مشہور عالم چشتی خانقاہ کے بانی اور سرحلقہ ہیں۔ لکھنوتی سے بہ نیت ارادت دہلی آئے۔ حضرت خواجہؒ کے مرید ہوئے۔ آپ نے مولانا فخر الدین زرادی سے فرمایا کہ یہ جوان بڑی قابلیت رکھتا ہے۔ اگر کچھ علم ظاہر بھی رکھتا ہوتا تو درویشی میں مستحکم ہوتا۔ یہ بات سُنکر مولانا فخر الدین نے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو میں اس کو کچھ عرصہ اپنی صحبت میں رکھکر ضروری مسائل یاد کرادوں فرمایا کہ یہ آپ کی صحبت کا بڑا مستحق ہے۔ مولانا فخر الدین ان کو اپنے ساتھ لے گئے اور عرصہ قلیل میں علم سے مناسبت پیدا کرادی حضرت خواجہؒ کی وفات کے بعد بھی وہ تکمیل علم کے لئے کچھ عرصہ دہلی میں ٹھہرے رہے۔ پھر وطن واپس آگئے اور مشرق و بنگال میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی اشاعت کا ذریعہ بنے[1]

---

[1] سیر العارفین وغیرہ۔

marfat.com

بلند علوم و مضامین

علم ظاہر و باطن کی اس جامعیت اخلاص اور تفکر و مجاہدات کی بنا پر آپ کو ان بلند اور صحیح علوم اور حقائق و معارف سے حصّہ وافر ملا۔ جو اولیاء کاملین اور کبار مخلصین ہی کو ملا کرتا ہے۔ اور جو صفائے باطن، طہارت اخلاق اور اخلاص کا لازمی نتیجہ ہے۔ اور جس کو اہل تصوف علوم لدنیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ صاحب سیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ کسی علم میں گفتگو ہوتی یا کوئی اشکال پیش آتا، آپ اپنے نورِ باطن سے ان کا جوابِ شافی عطا فرماتے۔ ؎

اے لقائے تو جواب ہر سوال
مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

آپ اس مسئلہ پر ایسی بلیغ تقریر فرماتے کہ تمام حاضرینِ مجلس حیرت میں رہ جاتے، اور ایک دوسرے سے کہتے کہ یہ کتابی جوابات نہیں ہیں۔ یہ الہام ربانی اور علم لدنی کے فیوض ہیں۔ اسی بناء پر شہر کے چوٹی کے علماء جو تصوّف کے منکر اور اہلِ تصوّف کے مخالف مشہور تھے۔ حضرت خواجہؒ کے حلقہ بگوش اور اپنے علمی غرور اور زعم پر نادم ہوئے اور آپ کے خدام اور ارادتمندوں میں شامل ہو گئے۔[1]

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۳۰

marfat.com

علوم صحیحہ شرعیہ

اس علمی رسوخ، اتباعِ سنت اور استقامت علی الشریعت نے آپ کے ذہن کو ایسا سلیم اور مستقیم بنا دیا تھا کہ اہل تصوف میں جو باتیں عرصہ دراز سے ظاہر شریعت کے خلاف چلی آتی تھیں اور بہت جگہ اہل تصوف کا شعار بن گئی تھیں۔ آپ اپنی سلامتی ذہن سے ان کو قبول نہیں کرتے تھے اور آپ کا ذوق اور تحقیق ان کے خلاف تھی۔

تصوف کے حلقوں میں بہت عرصہ سے اس خیال کا اظہار ہو رہا تھا کہ ولایت نبوت سے افضل اور اولیاء کو انبیاء پر فضیلت حاصل ہے۔ اس لئے کہ ولایت عبارت ہے حضرت حق کے ساتھ مشغولیت اور ماسوی اللہ کے انقطاع سے اور نبوت میں دعوت و تبلیغ کی وجہ سے مخلوق کے ساتھ مشغولی ہوتی ہے۔ پھر اس میں اور کئی مذہب پیدا ہو گئے اور کسی نے یہ تاویل کی کہ انبیاء کی ولایت ان کی نبوت سے افضل ہے لیکن آپ ان کو تسلیم نہیں کرتے۔ فوائد الفواد میں ہے کہ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ یہ مذہب باطل ہے اس سبب سے کہ اگرچہ انبیا مخلوق کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں لیکن جس وقت کہ وہ حق کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں اس مشغولیت کا قلیل سے قلیل زمانہ بھی اولیاء کے تمام اوقات پر فضیلت رکھتا ہے[۱]

۱؎ فوائد الفواد صفحہ ۱۱۲ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اتنا مزید اضافہ کیا کہ انبیاء عین مشغولی بخلق کی حالت میں بھی اولیاء سے (عین اس وقت جب وہ حق (صفحہ آئندہ)

حلال مانع راہِ خدا نہیں

تصوّف کے متعلق عام طور پر یہ سمجھا اور مشہور کیا گیا ہے کہ تصوف تعطّل اور بے کاری و بے عملی کا نام ہے۔ اور ہر اشتغال وصول الی اللہ سے مانع اور راہِ سلوک کا رہزن ہے۔ حضرت خواجہ معرفت و تحقیق کے جس مقام پر فائز تھے اور وسائل و رسوم سے بلند ہو کر مقاصد اور لب لباب پر جس طرح آپ کی نظر تھی اس کا مقتضا یہ تھا کہ آپ اس مقام سے آگے بڑھ چکے تھے اور فعل حلال و مشروع کی نورانیت اور اس کا ذریعۂ قرب ہونا آپ کی نظر میں تھا۔ حضرت خواجہ سیّد محمد گیسو دراز کے ملفوظات "جوامع الکلم" میں ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین نے فرمایا۔

ہیچ کسے (چیزے) کہ حلال است مانع راہِ خدائی نیست و قاطع سلوک نیست وگرنہ مشروع و حلال نبودی۔[1]	کوئی چیز جو حلال ہے راہِ خدا کی مانع اور قاطعِ سلوک نہیں ورنہ مشروع حلال نہ ہوتی۔

---

[1] جوامع الکلم ص۱۶۰

(صفحہ گذشتہ) کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں) زیادہ متوجہ الی اللہ اور مشغول باللہ ہوتے ہیں۔ ان کی مشغولیت بخلق چونکہ حکم الٰہی سے ہوتی ہے اس لئے وہ عین مشغولیت بحق اور امر الٰہی کا امتثال ہوتا ہے۔ ۱۲

marfat.com

قلب متوجہ الی اللہ کے بعد کوئی چیز مضر نہیں

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ خدا کی طرف متوجہ دل اور پاک نفس چاہیئے۔ اس کے بعد جس کام میں رہنا ہو رہو۔ تمہیں کوئی نقصان نہ ہوگا۔[1]

ترکِ دنیا کی حقیقت

ترکِ دنیا اور حقیقی زہد و درویشی کی حقیقت بیان کرتے ہوئے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا۔

ترکِ دنیا آن نیست	ترکِ دنیا کے معنیٰ یہ نہیں
کہ کسے خود را برہنہ	ہیں کہ کوئی اپنے کو ننگا کردے
کند مثلاً لنگوتہا بند و	مثلاً لنگوٹ باندھ کر بیٹھ جائے
بنشیند، ترکِ دنیا آن	صحیح معنیٰ میں ترکِ دنیا یہ
ست کہ لباس پوشد و طعام	ہے کہ کپڑے پہنے کھانا کھائے
بخورد و انچہ رسد روا	اور جو کچھ میسّر آئے اس کو
بدارد و بجمع او میل نہ کند و خاطر	استعمال کرے لیکن اس کے

---

[1] یعنی مشروع وجوہ معاشی اور ظاہری مشاغل وغیرہ۔ ۱۲

[2] سیر الاولیاء، ص ۱۶۰

marfat.com

را متعلق چیزے ندارد ترک دنیا است[1]۔

جمع کرنے کی طرف متوجہ نہ ہو اور اپنے دل کو کسی چیز میں پھنسائے نہیں یہی ترکِ دنیا ہے۔

طاعت لازم و متعدی

فرمایا۔ طاعت کی دو قسمیں ہیں لازم اور متعدی۔ طاعتِ لازمی اسے کہتے ہیں جس کی منفعت طاعت کرنے والے کو پہنچے جیسے نماز، روزہ، حج، اوراد و تسبیحات وغیرہ۔ طاعت متعدی وہ ہے جس کی منفعت اور راحت دوسرے کو پہنچے، مثلاً دو مسلمانوں میں اتفاق کرا دینا، شفقت، دوسرے کے ساتھ مہربانی وغیرہ اس کو طاعتِ متعدی کہتے ہیں۔ اور اس کا ثواب بے حد و بے اندازہ ہے۔

طاعت لازمی کی قبولیت کے لئے بڑے اخلاص کی ضرورت ہے اور طاعت متعدی جس طرح بھی کرے گا ثواب ملے گا[2]۔

کشف و کرامات حجاب راہ

ارشاد ہوا کہ اولیاء سے جو کچھ اظہار ہوتا ہے۔ وہ ان کی سکر و مستی کا نتیجہ ہے۔ اس لئے کہ وہ اصحاب سکر ہیں۔ اس

---

[1] فوائد الفواد صٹ [2] ایضاً ج ا صـ۱۴

کے برخلاف انبیاء اصحابِ صحو ہیں۔ سالک کے لئے کشف و کرامات حجابِ راہ ہیں۔ محبّت سے استقامت پیدا ہوتی ہے۔[1]

علومِ انبیاءؑ و اولیاءؒ

فرمایا کہ تینؔ مرتبے ہیں۔ ایک مرتبہ جس کو طورِ حس کہنا چاہیئے۔ دوسرا طورِ عقل اور تیسرا طورِ قدس۔ طورِ حس میں مطعومات (کھانے پینے کی چیزیں) مشمومات (جن کی خوشبو محسوس ہوتی ہے) وغیرہ محسوسات معلوم ہوتی ہیں۔ اس کے بعد طورِ عقل ہے اس کا تعلق دو علموں سے ہے کسبی اور بدیہی، لیکن عالم قدس میں پہنچ کر عقل سے حاصل کئے ہوئے کسبی علوم بھی بدیہی معلوم ہونے لگتے ہیں پھر فرمایا کہ بدیہی بھی علمِ قدس نہیں ہے کسبی کا کیا ذکر؟ وہ انبیاء و اولیاء کے علوم ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ جس پر عالمِ قدس کا دروازہ کھلتا ہے۔ اس کی علامت کیا ہوسکتی ہے؟ جو شخص عالمِ عقل میں ہوتا ہے اور وہ کسی مسئلہ کو بدیہی یا کسبی علم سے حل کرتا ہے اور اس سے اس کو ایک فرحت حاصل ہوتی ہے وہ عالمِ قدس میں راہ نہیں پاتا۔ اس درمیان میں کسی بزرگ کا واقعہ بیان کیا کہ وہ فرماتے تھے کہ غیب سے کچھ علوم اور واردات دل پر گزرتے ہیں انشاء اللہ ان کو قلم بند کروں گا۔ اس کے بعد بہت کچھ لکھا پھر

---

[1] فوائد الفواد ج ۱ ص ۳۳

marfat.com

فرمایا کہ بہت کچھ لکھا گیا لیکن جو کچھ مقصود تھا وہ ضبطِ تحریر میں نہیں آسکا۔[1]

دنیا کی محبّت اور عداوت

ایک دن اس کا ذکر ہو رہا تھا کہ کسی کو دنیا کی محبّت ہوتی ہے اور کسی کو اس سے نفرت۔ فرمایا کہ تینؔ طرح کے لوگ ہیں۔ کچھ لوگ ہیں جو دنیا کو دوست رکھتے ہیں اور دن رات اس کی یاد اور فکر میں رہتے ہیں۔ ایسے لوگ بہت ہیں۔ کچھ دوسرے لوگ ہیں جو دنیا سے نفرت کرتے ہیں اور اس کا حقارت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ اور ہمیشہ اس کی دشمنی میں رہتے ہیں تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کو نہ دنیا سے محبت ہوتی ہے نہ نفرت اور وہ اس کا ذکر محبّت یا عداوت کے ساتھ نہیں کرتے۔ یہ پہلی دونوں قسموں سے بہتر ہے۔ اس کے بعد آپ نے حکایت سنائی کہ ایک شخص حضرت رابعہ بصریؒ کے پاس آیا اور دنیا کی سخت مذمت کرنے لگا۔ حضرت رابعہ بصریؒ نے اس سے کہا کہ برائے مہربانی اب اس کے بعد نہ آئیے گا۔ آپ کو دنیا سے محبت معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ آپ اس کا بہت ذکر کرتے ہیں۔[2]

---

[1] فوائد الفواد ج ۱ ص۹۹

[2] ایضاً ج ۱ ص۱۸۹

مراتب تلاوت قرآن

ایک مرتبہ آپ نے تلاوتِ قرآن کے مراتب اس طرح بیان فرمائے کہ پہلا مرتبہ یہ ہے کہ جو کچھ پڑھے اس کے معانی دل پر گزارے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ پڑھتے وقت اللہ کی عظمت و جلال کو دل پر طاری کرے۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ پڑھنے والے کا دل حق تعالیٰ کے ساتھ متعلق و مشغول ہو۔

فرماتے کہ قرآن پڑھتے ہوئے تو کم از کم اس شعور کو ہر شخص میں ہونا چاہیئے کہ میں اس نعمت کے لائق کہاں تھا۔ اور میرے نصیب ایسے کہاں تھے کہ مجھے یہ دولت ملے۔ اگر یہ سب حاصل نہ ہو تو پڑھنے پر جس ثواب اور جزا کا وعدہ ہے اس کو ذہن میں تازہ اور مستحضر رکھا جائے [۱]

اگرچہ حضرت خواجہؒ نے جیسا کہ انھوں نے کئی بار ارشاد فرمایا کوئی تصنیف نہیں کی[۲]۔ لیکن آپ کی سب سے بڑی تصنیفات آپ کے تربیت کئے ہوئے اور آپ کی صحبت پائے ہوئے وہ خلفائے کبار اور اصحاب نامدار ہیں جو عمل صحیح اور علم صحیح کا نمونہ تھے اور جن کے دل کی راستی، علم کی گہرائی اور فہم کی پختگی 'الراسخین فی العلم' کے شایانِ شان تھی۔ امیر حسن علا سنجری کی فوائد الفواد اور امیر خورد کی سیر الاولیاء میں آپ کے بہت سے اقوال و ملفوظات منقول ہیں۔ جو آپ کی شانِ تحقیق کا مظہر ہیں۔ [۱] فوائد الفواد ص۱ [۲] فوائد الفواد ص۴۵ [۳] خیر المجالس ص۳۵

باب پنجم

فیوض و برکات

تجدید ایمان و توبہ عام

قبل اس کے کہ ان فیوض و برکات کا ذکر کیا جائے جو حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے ساتھ تعلق اور ان کے ہاتھ پر توبہ و بیعت کے ذریعہ لاکھوں مسلمانوں کو پہنچے۔ اور ایک ایسے زمانہ میں جب مسلمانوں کی حکومت اپنے پورے عروج پر تھی اور غفلت خدا فراموشی اور نفس پرستی کے اسباب و محرکات پورے شباب پر تھے۔ ایک ایسی نئی دینی اور روحانی لہر پیدا ہوئی جس کو ہر محسوس کرنے والے نے محسوس کیا۔ مناسب ہوتا ہے کہ مشائخ طریقت کی بیعت عام اور ارشاد و تلقین توبہ کی حکمت اور ضرورت بیان کر دی جائے۔ تاکہ معلوم ہو کہ کن حالات و ضروریات کے ماتحت اس طریقے کو اختیار کیا گیا اور اس سے کیا دینی فوائد پہنچے۔ راقم سطور نے تاریخ دعوت و عزیمت کے حصہ اوّل میں حضرت

marfat.com

سیّدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے تذکرہ کے ضمن میں جو کچھ لکھا تھا پہلے اسی کو کسی قدر اختصار و ترمیم کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے۔

"خیر القرون کے بعد اسلامی آبادی کا پھیلاؤ اور زندگی کی ذمہ داریاں اور معاشی تفکرات اتنے بڑھ گئے تھے کہ خصوصی تعلیم و تربیت کے ذرائع سے عمومی اصلاح و تربیت کا کام نہیں لیا جاسکتا تھا اور کسی بڑے پیمانہ پر کسی دینی اور روحانی انقلاب کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ پھر اس کی کیا صورت تھی کہ مسلمانوں کی بڑی تعداد اپنے ایمان کی تجدید کرے۔ دینی ذمہ داری و پابندیوں شعور و احساسِ ذمہ داری کے ساتھ دوبارہ قبول کرے اس میں پھر اپنی ایمانی کیفیات اور دینی جذبات پیدا ہوں۔ اس کے افسردہ و مردہ دل میں پھر محبّت کی گرمی پیدا ہو۔ اور اس کے مضمحل قویٰ میں پھر حرکت و نشاط پیدا ہو۔ اس کو کسی مخلص خدا شناس پر اعتماد ہو اور اس سے وہ اپنے امراض و روحانی و نفسانی میں علاج اور دین کی صحیح روشنی اور رہنمائی حاصل کرے۔ ناظرین کو اس کا اندازہ ہو چکا ہے کہ اسلامی حکومتیں جن کا یہ اصلی فرض تھا اس لئے کہ جس نبی کی نیابت و نسبت پر وہ قائم تھیں بقول سیّدنا عمر بن عبدالعزیزؒ وہ ہدایت

marfat.com

کے لئے مبعوث ہوا تھا۔ "جبایت"، "تحصیل وصول" کیلئے
نہیں)، نہ صرف اس فریضہ سے غافل اور کنارہ کش ہو چکی
تھیں بلکہ اپنے سربراہوں اور عمّالِ حکومت کے اعمال
وکردار کے لحاظ سے اس کام کیلئے مضر اور اس کے
راستہ میں مزاحم تھیں۔ دوسری طرف وہ اس قدر
بدگمان، توہّم پرست اور شکّی واقع ہوئی تھیں کہ کسی
نئی تنظیم اور نئی دعوت کو جس میں قیادت وسیادت
کی آمیزش پاتیں برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ اس کو وہ
فوراً کچل کر رکھ دیتیں۔ ایسی صورت میں مسلمانوں میں
نئی دینی زندگی، نیا نظم وضبط اور نئے سرے سے حرکت
وعمل پیدا کرنے کے لئے اس کے علاوہ کیا شکل تھی کہ
خدا کا کوئی مخلص بندہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے
پر ایمان وعمل اور اتباع شریعت کے لئے بیعت لے
اور مسلمان اس کے ہاتھ پر اپنی سابقہ غفلت وجاہلیت
کی زندگی سے توبہ اور ایمان کی تجدید کریں۔ اور پھر وہ
نائبِ پیغمبر ان کی دینی نگرانی وتربیت کرے۔ اپنی کیمیا
اثر صحبت، اپنے شعلۂ محبّت، اپنی استقامت اور اپنے
نفسِ گرم سے پھر ایمانی حرارت، گرمیٔ محبّت، خلوص
وللّٰہیت، جذبۂ اتباعِ سنّت اور شوقِ آخرت پیدا کر دے۔

marfat.com

اُن کو اس نئے تعلق سے محسوس ہو کہ انھوں نے ایک زندگی سے توبہ کی ہے اور ایک نئی زندگی میں قدم رکھا ہے اور کسی اللہ کے بندے کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا ہے وہ بھی یہ سمجھے کہ ان بیعت کرنے والوں کی اصلاح و تربیت اور ان کی دینی خدمت اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد کی ہے اور اس محبّت و اعتماد کا مجھ پر نیا حق قائم ہو گیا ہے پھر اپنے تجربوں و اجتہاد اور کتاب و سنّت کے اصول و تعلیمات کے مطابق ان میں صحیح روحانیت و تقویٰ اور کی زندگی میں ایمان احتساب و اخلاص اور اُن کے اعمال و عبادات میں ایمانی کیفیات اور روح پیدا کرنے کی کوشش کرے یہی حقیقت ہے اس بیعت تربیت کی جس سے دین کے مخلص داعیوں نے اپنے اپنے وقت میں احیاء و تجدید دین اور اصلاح مسلمین کا کام لیا ہے۔ اور لاکھوں بندگانِ خدا کو حقیقتِ ایمان اور درجۂ احسان تک پہنچا دیا ہے[1]۔"

بیعت ایک عہد و معاہدہ

یہ بیعت پچھلے گناہوں سے توبہ اور خدا و رسول کے احکام کی تعمیل اور اتباعِ شریعت کا ایک معاہدہ ہوتا

---

[1] تاریخ دعوت و عزیمت، حصہ اوّل ص ۲۰۲

marfat.com

تھا۔ سلطان المشائخ بیعت لیتے وقت بیعت کرنے والے سے کیا الفاظ کہلواتے تھے اور آئندہ کے لئے اس سے کیا عہد لیتے تھے۔ کسی تذکرہ میں اس کے صحیح الفاظ نظر سے نہیں گذرے۔ لیکن حضرت خواجہؒ نے خود اپنے شیخ و مرشد شیخ کبیر حضرت خواجہ فرید الدّین گنج شکرؒ کے بیعت لینے کا طریقہ اور ان کی تلقین کا ذکر کیا ہے اور ان کو اپنے شیخ سے جو والہانہ تعلق اور ان کی پیروی کا جو جذبہ تھا اس سے یہی قیاس کیا جا سکتا ہے کہ وہ بھی اسی طرح اپنے نئے مریدین کو تلقین فرماتے ہوں گے۔ ارشاد ہے۔

"جب کوئی شخص شیخ شیوخ العالم فرید الدین والحق کی خدمت میں بہ نیت ارادت آتا فرماتے پہلے ایک بار سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھو، اس کے بعد سورۂ بقر کا آخری رکوع اٰمن الرسول سے آخر تک پڑھتے۔ اس کے بعد شھد اللہ انہ لا الٰہ الّا ھو۔ . . . . انّ الدّین عند اللہ الاسلام ۔ تک پڑھتے۔ اس کے بعد فرماتے کہ تم نے بیعت کی اس ضعیف کے ہاتھ پر، اس کے شیخ اور اور شیخ کے مشائخ کے ہاتھ پر، اور حضرت پیغمبر علیہ الصّلوۃ والسّلام کے دستِ مبارک پر، اور حضرت عزت (جل مجدہ) سے عہد کیا کہ اپنے ہاتھ پاؤں اور آنکھوں کی حفاظت کرو گے اور شریعت کے راستہ اور طریقے

پر قائم رہو گے۔"[1]

بیعت کی اس تلقین میں اسلام کے بنیادی عقائد آگئے۔ سمع وطاعت (سننے اور ماننے) کا وعدہ اور ارادہ بھی آگیا۔ یہ بات بھی آگئی کہ اللہ کے یہاں قابلِ قبول دین صرف دینِ اسلام ہے۔ اس کا احساس بھی بیدار و تازہ کر دیا گیا کہ یہ بیعت دراصل دستِ مبارک نبوی پر ہے اور شیخ کا ہاتھ اس دستِ مبارک کا قائم مقام ہے۔ ربّ العزّت سے اس کا بھی عہد کیا گیا کہ ہاتھ پاؤں اور آنکھوں کی معصیتوں سے حفاظت کی جائے گی۔ اور راہِ شریعت پر قائم رہا جائے گا۔ تجدید ایمان اور خدا و رسول سے اپنا پُرانا عہد استوار کرنے کا اس سے بہتر اور عام فہم طریقہ کیا ہو سکتا ہے؟ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ بیعت کرنے والے سو فی صدی اس عہد پر قائم رہتے تھے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بیعت کرنے والوں میں سے ایک بڑی تعداد اس اقرار اور عہد کی شرم اور لاج رکھتی اور ہزاروں اور لاکھوں بندگانِ خُدا کے لئے یہ تجدیدِ ایمان اور انقلابِ حال کا ذریعہ بن جاتی۔

عمومِ بیعت کی حکمت

بیعت و ارشاد میں ان حضرات نے جو وسعت و اذنِ عام فرما رکھا تھا اور جس طرح بغیر کسی امتحان اور امتیاز کے لوگوں کو اجازت

---

[1] سیر الاولیاء ص ۳۲۲

marfat.com

تھی کہ وہ بیعت کریں اور حلقۂ ارادت میں داخل ہو جائیں۔ خاص طور پر حضرت خواجہ کے یہاں اس باب میں جو وسعت و رعایت تھی۔ اس پر بعض لوگوں کو یہ کھٹک پیدا ہو سکتی ہے کہ جب بیعت ایک معاہدہ ہے اور اس کا تعلق پوری زندگی سے ہے تو اس میں اتنی وسعت کیوں روا رکھی گئی ہے؟ حضرت خواجہ نے ایک موقع پر خود ہی اس اشکال کا جواب دیا ہے۔ اور اس عمومیت کی حکمت بیان کی ہے۔

مولانا ضیاء الدین برنی (مصنّف تاریخ فیروز شاہی) فرماتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اشراق سے چاشت تک آپ کی روح پرور جان نواز باتیں سنتا رہا، اس روز خاص طور پر بہت کثرت سے لوگ بیعت ہوئے، یہ دیکھ کر میرے دل میں آیا کہ مشائخ متقدمین نے مرید کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔ سلطان المشائخ نے اپنی فیاضی و عنایت سے اس کا اذن عام دے دیا ہے۔ اور آپ عام و خاص سب کو مرید کر لیتے ہیں۔ میں نے چاہا کہ میں اس بارے میں سوال کروں۔ سلطان المشائخ اپنے کشف سے میرے خطرے پر مطلع ہو گئے فرمایا۔

"مولانا ضیاء الدین! تم ہر طرح کی باتیں پوچھتے ہو، یہ نہیں پوچھتے کہ میں بغیر تحقیق کے آنے والوں کو کیوں مرید کر لیتا ہوں۔"

marfat.com

یہ سُنکر مجھ پر لرزہ سا طاری ہوگیا اور میں نے آپ کے قدم لے کر عرض کیا کہ ایک عرصہ سے میرے دل میں یہ اشکال تھا۔ آج بھی یہ وسوسہ آیا تھا۔ اللہ نے آپ کے دل میں یہ بات ڈال دی حضرت نے فرمایا۔

حق تعالیٰ نے ہر زمانہ میں اپنی حکمتِ بالغہ سے ایک خاصیت رکھی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر زمانہ کے لوگوں کی راہ و رسم اور عادتیں الگ ہوتی ہیں۔ اور ان کے مزاج و طبیعت پچھلے لوگوں کے طبائع و اخلاق سے میل نہیں کھاتے تھوڑے لوگ اس سے مستثنیٰ ہوتے ہیں اور یہ ایک تجربہ کی بات ہے۔ ارادت کی اصل یہ ہے کہ مرید ماسوی اللہ سے منقطع اور مشغول مع اللہ ہو جائے۔ جیسا کہ کتب تصوّف میں تفصیل کیساتھ درج ہے۔ مشائخ متقدمین جب تک طالبِ ارادت میں انقطاع کلی نہ دیکھ لیتے بیعت کا ہاتھ نہیں بڑھاتے تھے۔ لیکن سلطان ابوسعید ابوالخیر کے عہد سے لے کر شیخ سیف الدین باخرزی کے زمانہ تک اور شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی کے وقت سے لے کر شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدّین قدس اللہ سرّہٗ العزیز کے وقت تک کہ یہ سب حضرات سرآمد روزگار اور آیۃٌ من آیات اللہ تھے۔ خلقِ خدا کا ان کے

marfat.com

دروازوں پر ہجوم ہوا، اور ہر طبقہ کے لوگوں نے ازدحام کیا۔ ان بندگانِ خدا نے آخرت کی ذمہ داریوں سے ڈر کر ان عاشقانِ خدا کا دامن تھامنا چاہا۔ اور ان مشائخ کبار نے بھی خاص و عام کو اپنی بیعت میں قبول کیا۔ اور خرقۂ توبہ و تبرک عطا کیا۔ ہر شخص ان محبوبانِ خدا کے معاملات پر اپنے کو قیاس نہیں کر سکتا کہ شیخ ابو سعید شیخ سیف الدین باخرزی، شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ اسرارہم نے جس طرح لوگوں کو مرید کیا۔ میں بھی مرید کر دوں۔ اس لئے کہ اگر خدا کا کوئی محبوب گناہگاروں میں سے ایک عالم کو اپنے دامن عاطفت میں لے لے تو لے سکتا ہے

——— اب میں تمہارے سوال کا جواب دیتا ہوں کہ میں مرید کرنے میں کیوں زیادہ احتیاط سے کام نہیں لیتا اور اپنا اطمینان نہیں کرتا، ایک وجہ تو یہ ہے کہ میں علی سبیل التواتر سن رہا ہوں کہ بہت سے مرید ہونے والے معصیت سے تائب ہو جاتے ہیں۔ نماز باجماعت ادا کرنے لگتے ہیں اور اوراد و نوافل میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اگر میں بھی شروع ہی سے اس بات کی شرط کر دوں کہ ان میں ارادت کی حقیقت یعنی انقطاعِ کلی پایا جاتا

marfat.com

ہے کہ نہیں اور ان کی توبہ و تبرک کا خرقہ (جو خرقۂ ارادت کی جگہ پر رہی ہے) نہ دوں تو وہ خیر کی اس مقدار سے بھی جو ان اللہ کے بندوں سے وجود میں آرہی ہے محروم ہو جائیں گے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ بغیر اس کے کہ میرے دل میں خیال آئے یا میں اس کی درخواست اور التماس کروں یا کوئی وسیلہ اور سفارش اختیار کروں شیخ کامل و مکمل (شیخ کبیر) نے مجھے بیعت لینے کی اجازت دی میں دیکھتا ہوں کہ ایک مسلمان بڑی عاجزی و درماندگی اور بڑی مسکنت و بے چارگی کے ساتھ میرے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے تمام گناہوں سے توبہ کی۔ میں یہ سمجھ کر کہ شاید اس کی بات سچ ہو، اس کو بیعت کر لیتا ہوں۔ خاص طور پر اس لئے کہ بہت سے معتبر لوگوں سے سنتا ہوں کہ بہت سے بیعت کرنے والے اس بیعت کی وجہ سے معاصی سے باز آجاتے ہیں[1]۔"

عمومی زندگی پر اثر

اس بیعت و تعلق کا جس سے مسلمانوں کے ہر طبقہ کے لوگ

---

[1] سیر الاولیاء ص ۳۴۶ و ص ۳۴۸ بحوالہ حسرت نامہ مولانا ضیاء الدین برنی۔ ۱۲

marfat.com

یکساں مستفیض ہوتے۔ عام زندگی و معاشرت، لوگوں کے اخلاق و عادات، اشغال و اوقات اور ارباب حکومت سے لے کر اہلِ حرفہ تک کے حالات پر کیا اثر پڑا۔ اور دارالحکومت دہلی میں جو شوکت قوت، دولت و ثروت اور عیش و عشرت کا گہوارہ تھا۔ اور سارے ہندوستان کا مالِ غنیمت اور سیکڑوں ہزاروں برس کے خزانوں کے زر و جواہر، صناعوں کی مصنوعات اور ملک کے اطراف و جوانب کے تحائف و عجائبات روزانہ سیلِ رواں کی طرح وہاں اُمنڈ رہے تھے۔ دینداری، خدا طلبی، عشقِ الٰہی توبہ و انابت اور رجوع الی اللہ، صفائیِ معاملات، راست گفتاری اور دیانتداری کی کیا کیفیت پیدا ہوگئی تھی اس کی تفصیل اُس عہد کے صاحبِ نظر اور معتبر مؤرخ ضیاء الدین برنی کی زبان سے سنیئے۔ وہ سلطان علاء الدین خلجی کے زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں[1]۔

"سلطان علاء الدین کے زمانہ کے مشائخ میں سے سجادۂ تصوف شیخ الاسلام نظام الدین، شیخ الاسلام علاء الدین اور شیخ الاسلام رکن الدین سے آراستہ تھا۔ ایک دُنیا ان

---

[1] تاریخ فیروز شاہی کے اقتباس کا یہ ترجمہ سیّد صباح الدین عبدالرحمٰن ایم۔ اے (رفیق دارالمصنفین) کی کتاب "بزمِ صوفیہ" سے حذف و اختصار کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ ص ۱۹۹ و ص ۲۰۲

marfat.com

کے انفاسِ متبرکہ سے روشن ہوئی اور ایک عالم نے ان
کی بیعت کا ہاتھ پکڑا۔ اور ان کی مدد سے گناہگاروں نے
توبہ کی۔ اور ہزاروں بدکاروں اور بے نمازیوں نے
بدکاری سے ہاتھ اٹھالیا اور ہمیشہ کے لئے پابندِ نماز
ہوگئے۔ اور باطنی طور پر دینی مشغلے کی طرف رغبت
ظاہر کی۔ اور توبہ صحیح ہوگئی اور عباداتِ لازمہ اور متعدیہ
کا معمول ہوگیا۔ اور دنیا کی حرص و محبّت جو انسانوں کے
فوائد اور فرمانبرداری کی بنیاد ہے۔ ان مشائخ کے اخلاقِ
حمیدہ اور ترک و تجرید کے معاملات کے دیکھنے سے
دلوں سے کم ہوگئی۔ اور سالکوں کو نوافل اور وظائف
کی کثرت اور اوصاف عبودیت کی پابندی سے کشف
و کرامات کی آرزو دل میں پیدا ہونے لگی اور ان بزرگوں کی
عبادات و معاملات کی برکت سے لوگوں کے معاملات
میں سچائی پیدا ہوگئی۔ اور ان کے مکارمِ اخلاق و مجاہدہ
و ریاضت کے دیکھنے سے اللہ والوں کے دلوں میں اخلاق
کے بدلنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ اور ان دینی بادشاہوں
کی محبّت اور اخلاق کے اثر سے خداوند تعالیٰ کے فیض
کی بارش دنیا میں ہونے لگی، اور آسمانی مصیبتوں کے
دروازے بند ہوگئے۔ اور ان کے زمانہ کے لوگ قحط و

marfat.com

وبا کی مصیبت میں مبتلا اور گرفتار نہیں ہوئے۔ اور اُن
کی مخلصانہ اور عاشقانہ عبادت گزاری کی برکت سے مغلوں
کا فتنہ جو سب سے بڑا فتنہ تھا ایسا فرو ہوا اور یہ تمام
ملاعین اس قدر آوارہ و تباہ ہوئے کہ اس سے زیادہ تباہ
نہیں ہو سکتے تھے۔ اور یہ تمام باتیں جو اُن تینوں بزرگوں
کے وجود سے ان کے معاصرین کو نظر آئیں، وہ شعارِ اسلام
کی بلندی کا ذریعہ بن گئیں اور احکامِ شریعت و طریقت
کو جو رونق و رواج حاصل ہوا اس کا کیا کہنا۔ کتنا عجیب
زمانہ وہ تھا، جو سلطان علاء الدین کے آخری دسویں سال
میں نظر آیا۔ ایک طرف سلطان علاء الدین نے ملک کی
بہتری کے لئے تمام منشّی اور ممنوع چیزوں کو اور فسق
و فجور کے اسباب کو قہر و غلبہ، تعزیر و تشدد اور قید
و بند سے روک دیا۔ اور مال جو دینی اور ملکی فساد کا ذریعہ
اور ہوا پرستوں کیلئے گناہوں کا آلہ اور حریصوں بخیلوں
اور تاجروں کے لئے سود، ذخیرہ اندوزی کا سامان اور
اور فتنہ پردازوں کے لئے بغاوت کی استعداد اور نیکوں
کے لئے کبر، مفاخرت، غفلت اور کسلمندی پیدا کرنے والا
ہے۔ اور عبادت گذاروں کے لئے نسیان و فراموشی کا
باعث ہے۔ سلطان علاء الدّین ہر بہانہ سے کہ جو اس کو ملتا

marfat.com

مالداروں اور حکام سے سختی سے لے لیتا۔ اور بازار والوں کو کہ دنیا کی تمام قوموں میں سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والی اور سب سے زیادہ فریب کرنے والی قوم ہے سچائی اختیار کرنے، سچائی کے ساتھ مال بیچنے اور سچ کہنے کے لئے خون خرابہ میں رکھتا تھا ——————

دوسری طرف اسی زمانہ میں شیخ الاسلام نظام الدین نے بیعت کا عام دروازہ کھول رکھا تھا۔ اور گناہگاروں کو خرقہ پہناتے اور ان سے توبہ کراتے تھے اور اپنی مریدی میں قبول کرتے تھے۔ اور خاص و عام، غریب و دولتمند بادشاہ و فقیر، عالم و جاہل، شریف و رذیل، شہری و دیہاتی غازی و مجاہد، آزاد و غلام، سب کو طاقیہ، توبہ اور پاکی کی تعلیم دیتے تھے اور یہ تمام لوگ چونکہ اپنے کو شیخ کا مرید سمجھتے تھے۔ بہت سے گناہوں سے باز آتے تھے۔ اور اگر شیخ کے کسی مرید سے لغزش ہو جاتی تھی تو پھر از سرِ نو بیعت کر لیتے۔ اور توبہ کا خرقہ عطا کرتے تھے۔ اور شیخ کی مریدی کی شرم تمام لوگوں کو بہت سی ظاہری و باطنی برائیوں سے روک دیتی تھی اور عام طور پر لوگ تقلید و اعتقاد کی وجہ سے عبادت کی طرف رغبت کرتے تھے۔ مرد و عورت، بوڑھے جوان، بازاری، عامی، غلام

marfat.com

اور نوکر سب کے سب نماز ادا کرتے تھے۔ اور زیادہ تر مرید چاشت و اشراق کے پابند ہو گئے تھے۔ آزاد اور نیک کام کرنے والوں نے شہر سے غیاث پور تک چند تفریحی مقامات پر چبوترے قائم کر دیئے تھے۔ چھپر ڈال دیئے تھے۔ کنویں کھدوا دیئے تھے۔ پانی سے بھرے ہوئے گھڑے اور مٹی کے لوٹے رکھوا دیئے تھے۔ چٹائیاں بچھوا دی تھیں۔ ہر چبوترہ اور ہر چھپر میں ایک چوکیدار اور ایک ملازم مقرر کر دیا تھا۔ تاکہ مرید اور توبہ کرنے والے نیک لوگوں کو شیخ کے آستانہ تک آنے جانے میں نماز ادا کرنے کے وقت وضو کرنے کے لئے کوئی تردد نہ ہو، اور چبوترہ اور چھپر میں نفل پڑھنے والے نمازیوں کا ہجوم دیکھا جاتا تھا۔ ارتکابِ گناہ لوگوں کے درمیان کم ہو گیا تھا۔ اور اکثر آدمیوں کے درمیان چاشت، اشراق، اوابین، تہجد اور زوال کے وقت رکعاتِ نماز کی تحقیقات زیادہ تھی کہ ان نوافل میں ہر وقت کتنی رکعتیں ادا کرتے ہیں اور ہر رکعت میں کلام پاک کی کون سی سورۃ اور کون سی آیت پڑھتے ہیں۔ ——— پنجگانہ نمازوں اور ہر نفل سے فارغ ہونے کے بعد کون کون سی دعائیں آئی ہیں اکثر نئے مرید شیخ کے قدیم مریدوں سے غیاث پور کی

marfat.com

آمد و رفت کے وقت پوچھتے تھے کہ شیخ رات کی نماز
میں کتنی رکعتیں پڑھتے ہیں۔ اور ہر رکعت میں کیا پڑھتے
ہیں اور عشاء کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
پر کتنی بار درود بھیجتے ہیں۔ اور شیخ فریدؒ اور شیخ بختیارؒ
رات دن میں کتنی بار درود بھیجتے تھے اور کتنی بار سورۂ
اخلاص پڑھتے تھے۔ نئے مرید شیخ کے قدیم مریدوں
سے اسی قسم کے سوالات کرتے تھے۔ روزے، نوافل
اور تقلیلِ طعام کے متعلق پوچھتے تھے ——————
اس نیک زمانہ میں اکثر آدمیوں کو حفظِ قرآن کا ذوق پیدا ہوگیا۔
تھا۔ نئے مرید شیخ کے پرانے مریدوں کی صحبت میں
رہتے تھے، پرانے مریدوں کو طاعت، عبادت، ترکِ
تعلق، تصوّف کی کتابوں کے پڑھنے، مشائخ کے اوصافِ
حمیدہ اور ان کے معاملات کے بیان کرنے کے سوا کوئی
دوسرا کام نہ تھا۔ دنیا اور دنیاداروں کا ذکر ان کی زبان
پر نہیں آتا تھا۔ کسی دنیادار کے گھر کی طرف اپنا رُخ نہیں
کرتے تھے۔ دنیا اور اہلِ دنیا کے میل جول کی حکایت
نہیں سنتے تھے۔ اور اس کو عیب اور گناہ جانتے تھے
کثرتِ نوافل اور اس کی پابندی کا معاملہ اس بابرکت
زمانہ میں اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ بادشاہ کے محل میں

marfat.com

بہت سے امراء، سلاحدار، لشکری، شاہی نوکر شیخ کے
مرید ہوتے تھے۔ اور چاشت و اشراق کی نمازیں ادا کرتے
تھے۔ ایام بیض اور عشرہ ذی الحجہ کے روزہ رکھتے تھے اور
کوئی محلّہ ایسا نہیں تھا جس میں ایک مہینہ بیس دن کے
بعد صلحا کا اجتماع نہیں ہوتا تھا۔ اور صوفیوں کی محفلِ سماع
نہیں ہوتی تھی اور باہم گریہ وزاری نہیں کرتے تھے
شیخ کے چند مرید تراویح کی نماز میں مسجدوں اور گھروں
میں ختم قرآن کرتے، وہ لوگ جو مستقیم الحال ہو چکے تھے
رمضان، جمعہ اور تہواروں کی راتوں میں قیام کرتے اور
صبح تک بیدار رہتے۔ پلک کو پلک سے نہیں لگنے دیتے
شیخ کے مریدوں میں سے بڑے درجہ کے مرید تمام
سال رات کے ایک یا دو تہائی حصّے تہجد کی نماز میں
گذارتے۔ بعض عبادت گذار عشاء کی نماز کے وضو سے
فجر کی نماز ادا کرتے۔ شیخ کے مریدوں میں سے چند
آدمیوں کو میں جانتا ہوں کہ شیخ کے فیضِ نظر سے صاحبِ
کشف و کرامات ہو گئے تھے۔ شیخ کے مُبارک وجود ان
کے انفاس کی برکت، ان کی مقبول دُعاؤں کی وجہ سے
اس ملک کے اکثر مسلمان عبادت، تصوّف اور زہد کی طرف
مائل اور شیخ کی ارادت کی طرف راغب ہو گئے تھے

marfat.com

سلطان علاء الدّین اپنے تمام گھر والوں کے ساتھ شیخ کا معتقد اور مخلص ہو گیا تھا۔ خواص و عوام کے دلوں نے نیکی اختیار کر لی تھی۔ عہد علائی کے آخری چند سالوں میں شراب، معشوق، فسق و فجور، جوا، مخاشی وغیرہ کا نام اکثر آدمیوں کی زبان پر نہیں آنے پایا۔ بڑے بڑے گناہ لوگوں کے نزدیک کفر کے مشابہ معلوم ہونے لگے تھے۔ مسلمان ایک دوسرے کی شرم سے سود خواری اور ذخیرہ اندوزی کے کھلم کھلا مرتکب نہیں ہو سکتے تھے۔ بازار والوں سے جھوٹ بولنے کم تولنے اور آمیزش کرنے کا رواج اٹھ گیا تھا۔ اکثر طالب علموں اور بڑے بڑے لوگوں کی رغبت جو شیخ کی خدمت میں رہتے تھے، تصوّف اور احکام طریقت کی کتابوں کے مطالعہ کی طرف ہو گئی تھی۔ قوت القلوب، احیاء العلوم ترجمہ احیاء العلوم، عوارف، کشف المحجوب، شرح تعرف، رسالہ قشیری، مرصاد العباد، مکتوبات عین القضاۃ، لوائح و لوامح قاضی حمید الدین ناگوری، فوائد الفواد، میر حسن سنجری کے بہت سے خریدار پیدا ہو گئے تھے۔ زیادہ تر لوگ کتب فروشوں سے سلوک و حقائق کی کتابوں کے بارے میں دریافت کرتے تھے۔ کوئی پگڑی ایسی نہ تھی جس میں مسواک اور کنگھی لٹکی نظر نہ

marfat.com

آتی تھی. صوفیوں کی کثرتِ خریداری کی وجہ سے لوٹے اور چرمی طشت گراں ہو گئے تھے. حاصلِ کلام یہ کہ خداوند تعالیٰ نے شیخ نظام الدینؒ کو پچھلی صدیوں میں شیخ جنیدؒ اور شیخ بایزیدؒ کے مثل پیدا کیا تھا۔"[1]

عشق کا "روز بازار"

توبہ، تجدیدِ ایمان اور اصلاحِ حال کے اس عام ذوق و رجحان کے علاوہ جس سے دہلی کا کوچہ کوچہ متاثر ہو رہا تھا اور ایوانِ شاہی اور "بامِ ہزار ستون" تک اس کی لہریں پہنچی تھیں. ایک نئی تبدیلی یہ تھی کہ دماغی نخوت اور قلبی افسردگی کی اس دُنیا میں جہاں نائے و نوش اور "بعیش کوش" کے سوا عرصہ سے کوئی صدا بلند نہیں ہوئی تھی. جذبۂ الٰہی کی ایک ہوا چلنے لگی اور عشق کا سودا عام ہو گیا. ہر جگہ درد و محبت کا تذکرہ، حقیقت و معرفت کی باتیں اور عارفانہ و عاشقانہ اشعار کی گونج تھی۔ امیر خورد مصنّف سیر الاولیاء نے خوب لکھا ہے کہ

کار محبّت و عشق را روز بازارے در جہاں پیدا آمدے	محبّت و عشق کے کاروبار کا زمانہ میں ایک بازار لگ گیا. لوگوں کو سماع کی حکایات کے سُننے، اخلاص

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی ص۴۴۶ و ص۳۴۱

marfat.com

وخلق را در آں زماں راحت جز حکایتِ سماع و اخلاص و نیاز مندی و شفقت ولینت و دل دریافتن و سر در زیر پائے اہل دلان نہادن کارے دیگر نہ بود۔[۱]

و نیاز مندی، شفقت و نرمی دلجوئی اور اہل دل کے قدموں پہ سر رکھ دینے کے علاوہ کسی اور بات سے راحت نہیں حاصل ہوتی تھی۔

خلفاء کی تربیت

اس سلسلۂ ارشاد و تربیت اور طریقۂ عشق و محبّت کو ہندوستان میں دُور دُور تک پھیلانے اور دیر تک قائم رکھنے کے لئے آپ نے اپنے عالی استعداد، سراپا اخلاص، خلفاء کا بڑا اہتمام فرمایا۔ ان میں وہ سب اوصاف و کمالات پیدا کرنے کی کوشش فرمائی جو مشائخ کاملین کے لئے ضروری ہیں۔ ان سے مجاہدات کرائے۔ ان کے قلوب کی نگرانی کی۔ ان میں جو اعلیٰ استعداد رکھتے تھے لیکن زیورِ علم سے عاری تھے۔ ان کی تعلیم وتکمیل کا بندوبست کیا۔ ان میں سے جن کے دلوں سے ابھی تک بحث و مناظرے کا نشہ نہیں گیا تھا۔ ان کی اصلاح فرمائی۔ جو خلقِ خدا کی رہنمائی اور اجتماعی زندگی کے اہل تھے لیکن انھیں گوشہ نشینی، عزلت گزینی اور انفرادی عبادات و مجاہدات کا ذوق تھا۔ ان کو اجتماعی زندگی اختیار کرنے اور "خلق خدا کی جفا وقفا"

---

[۱] سیر الاولیاء صنا۵

کو برداشت کرنے پر مجبور کیا۔ اصلاح و تربیت کا جو عالمگیر کام آپ کے پیشِ نظر تھا۔ اور اپنے خواص اصحاب سے دین کی دعوت کا جو کام لینا تھا۔ اس میں جو چیز حارج اور مزاحم نظر آئی۔ آپ نے اُس کو ترک کر دیا۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ ایک دن بلند حیثیت کے دوستوں اور خدام نے جن کا وطنی تعلق اودھ سے تھا آپس میں طے کیا کہ سلطان المشائخ سے پڑھنے پڑھانے اور بحث و مذاکرہ کرنے کی اجازت طلب کریں۔ اگرچہ ان دوستوں میں سے ہر ایک عالم متبحر تھا لیکن سلطان المشائخ کے فیضِ صحبت سے یادِ حق میں مشغول تھا۔ مگر جس کام میں عمر گذاری تھی اس کا شوق بالآخر اس کا محرک ہوا۔ مولانا جلال الدین کو لوگوں نے آگے کیا اور خدمت میں حاضر ہوتے حضرت سلطان المشائخ پر یادِ الٰہی کی ایسی کچھ تجلّی تھی کہ لوگوں کو بات کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ مولانا جلال الدّین کو کچھ جرأت تھی۔ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت اگر اجازت ہو تو احباب کسی وقت بحث کر لیا کریں؟ سلطان المشائخ سمجھ گئے کہ یہ ان سب علماء کا عندیہ ہے اور مولانا جلال الدّین ان کے نمائندہ ہیں۔ فرمایا کہ میں کیا کروں، مجھے ان سے تو دوسرا ہی کام لینا مقصود ہے[1]۔

---

[1] سیر الاولیاء صفحہ ۳۰۶

مولانا سیّد نصیر الدّین محمود جو بعد میں حضرت خواجہؒ کے خلیفۂ اعظم اور اصل جانشین ہوئے اور چراغ دہلی کے نام سے ان کا نام تمام دنیا میں روشن ہے۔ اس بات کے بڑے خواہش مند تھے کہ وہ کہیں کسی جنگل یا پہاڑ پر بیٹھ کر خدا کی یاد کریں۔ انھوں نے ایک دن امیر خسرو کو واسطہ بنایا اور کہلوایا کہ یہ ناچیز اودھ میں رہتا ہے۔ خلق کے ہجوم سے اپنی مشغولیت میں فرق پڑتا ہے۔ اگر اجازت ہو تو میں کسی صحرا یا پہاڑ پر رہ کر فراغِ خاطر کے ساتھ خدا کی عبادت کروں۔ امیر خسرو نے جب یہ پیغام عرض کیا۔ تو ارشاد ہوا۔

اورا بگو ترا درمیان خلق می باید بود و جفا و قفائے خلق می باید کشید و مکافات آں ببذل و ایثار و عطامی باید کرد۔[1]	ان سے کہدو کہ تم کو مخلوق ہی کے درمیان رہنا ہوگا اور مخلوق کی بے مروّتی اور بے رخی کو برداشت کرنا ہوگا اور اس کا بدلہ سخاوت و ایثار سے دینا ہوگا۔

مولانا حسام الدّین ملتانی نے خلافت کے بعد عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو شہر چھوڑ دوں اور کسی چشمہ کے کنارے سکونت اختیار کروں۔ اس لئے کہ شہر میں کنوؤں کا پانی ملتا ہے اور اس

---

[1] سیر الاولیاء ص ۲۳۷

marfat.com

سے وضو کرنے میں دل کو اطمینان نہیں ہوتا[1]۔ ارشاد ہوا کہ نہیں شہر ہی میں رہو۔ اور ایک عام آدمی کی طرح رہو سہو۔ نفس چاہتا ہے کہ تم کو ایک آرام کی جگہ لے جائے اور ایسی جگہ رکھے کہ تمہیں جمعیت خاطر نصیب نہ ہو۔ جب تم شہر سے باہر چلے جاؤ گے اور کسی چشمہ کے کنارے سکونت اختیار کرو گے تو پردیسی اور شہری تمہارا سراغ لگا کر پہنچیں گے اور مشہور ہوگا کہ فلاں درویش فلاں جگہ مقیم ہے اور پھر تمہارا وقت خراب کرے گا۔ اس کے علاوہ کنوئیں کے پانی میں علماء کا اختلاف ہے اور شریعت نے اس میں وسعت دی ہے۔

چشتی خانقاہیں

اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہؒ کو بڑے جلیل القدر خلفاء عطا فرمائے تھے جن میں سے حسب ذیل خاص طور پر مشہور و ممتاز ہوتے۔

(۱) مولانا شمس الدین یحییٰ
(۲) شیخ نصیر الدین محمود
(۳) شیخ قطب الدین منور ہانسوی
(۴) شیخ حسام الدین ملتانی
(۵) مولانا فخر الدین زرادی
(۶) مولانا علاء الدین نیلی
(۷) مولانا برہان الدین غریب
(۸) مولانا یوسف چندیری

---

[1] پانی بھرنے والوں کی بے احتیاطی کی وجہ سے اور کسی چیز کے گرنے پڑنے کے خیال سے۔ ۱۲

marfat.com

(۹) مولانا سراج الدین اخی سراج (۱۰) مولانا شہاب الدین

مریدین با اختصاص

(۱) خواجہ ابوبکر (۲) مولانا محی الدین کاشانی

(۳) مولانا وجیہ الدین پائلی (۴) مولانا فخر الدین مروزی

(۵) مولانا فصیح الدین (۶) امیر خسرو

(۷) مولانا جلال الدین (۸) خواجہ کریم الدین سمرقندی

(۹) امیر حسن علا سنجری (۱۰) قاضی شرف الدین

(۱۱) مولانا بہاء الدین ادہمی (۱۲) شیخ مبارک گوپاموی

(۱۳) خواجہ موید الدین کروی (۱۴) خواجہ تاج الدین داوری

(۱۵) خواجہ ضیاء الدین برنی (۱۶) خواجہ موید الدین انصاری

(۱۷) خواجہ شمس الدین خواہرزادہ (۱۸) مولانا نظام الدین شیرازی

(۱۹) خواجہ سالار (۲۰) مولانا فخر الدین میرٹھی

ان میں حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کو آپ نے خلافتِ خاص عطا فرمائی اور اپنا جانشیں بنایا۔ وہ اپنے شیخ کے قدم بقدم تھے۔ انھوں نے نہایت مساعد حالات اور سخت سیاسی طوفانوں میں رشد و ہدایت کا یہ چراغ روشن رکھا۔ بقولِ شاعر ؎

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیئے ہیں اندازِ خسروانہ

marfat.com

فیروز تغلق کی تخت نشینی اور اس سے ہندوستان کو جو فیوض و برکات پہنچے اس میں حضرت سیّد نصیر الدّین ہی کا ہاتھ تھا[1]۔ پورے بتیس ۳۲ سال تک انھوں نے سلسلۂ چشتیہ کا مرکزی نظام دار الحکومت دہلی میں بیٹھ کر کامیابی کے ساتھ چلایا۔ پھر اس چراغ سے دوسرا چراغ روشن ہوا جس نے جنوبی ہند ہی نہیں سارے ہندوستان کو عشق و محبّت کی حرارت سے گرم اور اس کی خوشبو سے معطّر کر دیا یعنی حضرت سیّد محمد گیسو درازؒ مدفون گلبرگہ[2] (م ۸۲۵ ھ) جن کے متعلق کسی صاحبِ نظر نے کہا ہے۔ ؎

ہر کو مرید سیّد گیسو دراز شد
واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد

حضرت سیّد نصیر الدین چراغ دہلی کے دوسرے خلیفہ علاّمہ کمال الدین (م ۷۵۶ ھ) تھے۔ جن کی اولاد اور خلفاء نے اس سلسلہ کو اس صدی تک آب و تاب کیساتھ قائم رکھا۔ اس سلسلہ میں حضرت یحییٰ مدنی، شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی، مولانا شاہ فخر الدّین دہلوی، خواجہ نور محمد مہاروی، شاہ نیاز احمد بریلوی اور خواجہ سلیمان تونسوی جیسے

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ فیروز شاہی۔ از سراج عفیف

[2] حضرت خواجہ سیّد محمد گیسو درازؒ کے حالات و کمالات کے لئے مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔

marfat.com

اکابر روزگار گزرے جنھوں نے عشقِ الٰہی کا بازار گرم رکھا اور لاکھوں بندگانِ خدا کے دلوں میں محبت الٰہی اور خدا طلبی کی آگ بھر دی۔[1]

حضرت چراغ دہلی کے خلفاء میں شیخ عبدالمقتدر کندی، شیخ احمد تھانیسری اور شیخ جلال الدین حسین بخاری معروف بمخدوم جہانیاں جہاں گشت خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔۔۔ان میں ہر ایک شیخِ وقت اور مرجعِ خلائق تھا دہلی کی مرکزی خانقاہ کے بعد جس کی مسند ارشاد پر یکے بعد دیگرے دو شیخ اجل حضرت خواجہ نظام الدین ؒ اور حضرت سید نصیر الدین چراغ دہلی ؒ متمکن رہے۔ ہندوستان کے مختلف مقامات پنڈوہ، لکھنوتی، دولت آباد گلبرگہ، برہان پور، زین آباد، مانڈو، احمد آباد، صفی پور، مانک پور، سلون میں چشتی خانقاہیں قائم ہوئیں۔ جنھوں نے صدیوں تک چراغ سے چراغ روشن رکھا۔ اور عشق و محبت، صدق و اخلاص، علو ہمت و عزیمت، خدمتِ خلق ایثار و قربانی، بذل و عطا، فقر و زہد، علم و معرفت کی شمع روشن رکھی اور ہندوستان کی فضا کو جس پر پے در پے مادیت اور غفلت کے حملے ہوتے رہے اور کسی وقت ایسا محسوس ہوا کہ سارا ملک تنکے کی طرح غفلت و تعیش کے سیلاب میں بہ جائے گا۔ اور متاع در د جس کشتی میں ہے وہ بھی غرق ہو جائے گی لیکن ان سوختہ سامانوں اور سوختہ دلوں نے اس متاع کی حفاظت

---

[1] ان بزرگوں کے مفصل حالات کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ مشائخ چشت" از پروفیسر خلیق احمد نظامی۔

marfat.com

کی اور یہ آگ کہیں نہ کہیں سلگتی رہی۔ ان میں سے ہر خانقاہ اور اس کے دینی و اصلاحی کارناموں کے لئے ایک مستقل ضخیم کتاب درکار ہے۔ خاص طور پر بنگال میں شیخ علاء الحق پنڈوی[1] حضرت نور قطب عالم پنڈوی[2]

---

[1] شیخ علاء الدین علاء الحق پنڈوی کا اصل نام عمر ہے۔ آپ کے والد اسعد لاہوری بنگال میں منصب وزارت پر فائز تھے۔ شیخ علاء الحق حضرت محبوب الٰہی کے مشہور خلیفہ سراج الدین عثمان اودی معروف اخی سراج (م ۷۵۸ھ) کے خلیفہ اور پنڈوہ کی مشہور عالم چشتی خانقاہ کے بانی ہیں۔ سید اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھوی (م ۸۰۸ھ) آپ ہی کے خلیفہ ہیں۔ ۸۰۰ھ میں وفات پائی۔

[2] نورالدین احمد نام، نور الحق اور قطب عالم لقب، اپنے والد شیخ علاء الحق پنڈوی کے خلیفہ و جانشین تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بڑی مقبولیت و مرجعیت عطا فرمائی۔ آپ کے زمانہ میں پنڈوہ کی خانقاہ ہندوستان کی سب سے بڑی چشتی خانقاہ تھی۔ مجاہدات، خدمتِ خلق اور بے نفسی و خود شکنی اور علوم و حقائق میں مرتبۂ عالی رکھتے تھے۔ خلفاء میں حضرت حسام الدین حسام الحق مانکپوری (م ۸۵۳ھ) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ جن کی ذات سے بہار اور اودھ میں سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کی بڑی اشاعت ہوئی۔

۸۱۸ھ میں وفات پائی، تصنیفات میں "مونس الفقراء" انیس الغرباء" اور مکاتیب کا مجموعہ یادگار ہے۔ ملفوظات و مکتوبات میں غضب کی سادگی اور تاثیر ہے۔ (ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ۳)

marfat.com

دکن میں شیخ برہان الدّین غریب اُن کے خلفاء میں شیخ زین الدین شیخ یعقوب، شیخ کمال الدین ناگوری فتنی پھر ان کے خلیفہ قطب عالم عبداللہ بن محمود بن الحسین (م ۸۵۷ھ) اور ان کے فرزند و خلیفہ شاہ عالم گجراتی نے بوریائے فقر پر بیٹھ کر اپنے اپنے زمانہ میں بادشاہی کی ہے۔

مالوہ میں شیخ وجیہ الدین یوسف، شیخ کمال الدّین، مولانا معیث الدین وغیرہ، اودھ میں حضرت شیخ محمد مینا لکھنوی، شیخ سعد الدین قدوائی خیرآبادی، شیخ عبدالصمد عرف صفی الدین صفی پوری، شیخ حسام الحق مانک پوری، شیخ عبدالکریم مانک پوری اور شاہ پیر محمد سلونی اور شاہ پیر محمد لکھنوی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ یہ سب سلسلہ نظامیہ کے شیوخ کبار ہیں۔ جنھوں نے اپنی اپنی جگہ ارشاد و ہدایت اور تعلیم و تربیت کا سلسلہ سرگرمی کے ساتھ جاری رکھا۔ ان سے فیض پانے والوں کی تعداد کو خدا کے سوا کوئی شمار نہیں کر سکتا۔

ان خالص چشتی خانقاہوں کے علاوہ ہندوستان میں جا بجا ایسی نامور خانقاہیں بھی قائم تھیں۔ جن کے مشائخ کبار اور بانیانِ سلسلہ سلسلۂ نظامیہ کے مشائخ چشت سے نسبت خاص اور اجازتِ عام حاصل تھی اور وہ چشتی ذوق اور نسبت کے حامل تھے۔ ان میں سے جونپور کی خانقاہ رشیدی اور پھلواری شریف کی خانقاہ مجیبی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ خانقاہ رشیدی کے بانی حضرت علامہ محمد رشید جون پوری (م ۱۰۸۳ھ) کو اپنے شیخ طیّب بنارسی اور سید احمد الحلیم حسینی مانکپوری

marfat.com

سے سلسلۂ چشتیہ نظامیہ میں اجازت حاصل تھی۔ خانقاہ مجیبی کے بانی تاج العارفین حضرت شاہ محمد مجیب اللہ قادری پھلواروی (م ۱۱۹۱ھ) کو سلسلۂ چشتیہ نظامیہ اپنے پیر بیعت حضرت خواجہ عماد الدین قلندر اور حضرت شاہ معین الدین کرجوی کے واسطہ سے پہونچا ہے۔ شاہ معین الدین کرجوی حضرت شیخ پیر محمد سلونی کے خلیفہ تھے۔

آخر میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی ذات سلسلۂ نظامیہ وصابریہ اور ان کی خصوصیتوں اور برکتوں کی جامع تھی۔ حضرت حاجی صاحب کو سلسلۂ نظامیہ سے نسبت حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کے طریق سے حاصل تھی۔ جن کو حضرت درویش بن محمد قاسم اودھی سے سلسلۂ نظامیہ میں اجازت تھی۔ حضرت درویش کو تین طریقوں سے سلسلۂ نظامیہ پہونچا تھا۔[1]

---

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "تذکرۃ الرشید" ج ۲ (ص ۱۰۶)

marfat.com

باب ششم

حضرت خواجہ کی تعلیم و تربیت کے اثرات

آپ کے خلفاء کی دینی و اصلاحی خدمات

حضرت سلطان المشائخ نے اپنے خلفاء اور مریدین کی بڑے اہتمام اور توجہ سے تربیت فرمائی تھی۔ سلطان علاء الدین خلجی کے امرائِ دربار اور ارکانِ سلطنت میں سے ایک بڑے عہدہ دار خواجہ موید الدین تھے۔ ان کو حضرت خواجہؒ سے تعلق پیدا ہو گیا۔ اور یہ تعلق اتنا بڑھا کہ ان کی طبیعت "سرکار دربار" سے اچاٹ ہو گئی۔ اور وہ حضرت خواجہؒ کی خدمت میں رہ پڑے۔ سلطان ان کا بڑا قدر دان تھا۔ اور ان کی ضرورت محسوس کرتا تھا۔ اس نے ایک حاجب کے ذریعہ حضرت خواجہؒ سے شکایت کی اور کہا کہ حضرت ہر ایک کو اپنا جیسا بنانا چاہتے ہیں۔ حضرت خواجہؒ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اپنا جیسا کیا۔ اپنے سے بہتر۔ سیر الاولیاء ص ۳۱۱

marfat.com

حضرت خواجہؒ کی صحبت و تربیت سے صرف عبادت و ریاضت کا ذوق اور اپنی اصلاح و ترقی ہی کی فکر نہیں پیدا ہوتی تھی۔ بلکہ دعوت و تبلیغ کا جذبہ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر کی ہمت اور حوصلہ، سلاطینِ وقت کے سامنے کلمۂ حق کہنے کی جرأت اور بے خوفی و شجاعت بھی پیدا ہوتی تھی۔ اور یہ خدا کے نام اور مردانِ خدا کی صحبت کا لازمی نتیجہ ہے۔ جس دل میں اللہ کا خوف سما جائے گا۔ اس دل سے غیر اللہ کا خوف قدرتی طور پر نکل جائے گا۔ اور جو دل طمع دنیا سے آزاد ہو جائے گا اس پر کسی کا رعب اور اس کو کسی سے ہراس نہیں ہو سکتا۔ جس پر خالق کی عظمت اور مخلوق کی صحیح حیثیت کا انکشاف ہو گیا۔ وہ سلاطین عالم کے کرّ و فر، ان کے درباروں کے تزک و احتشام اور ان کے غلاموں اور افسروں کی صف بندیوں اور "نگاہ روبرو" اور "دور باش" کو بچوں کے کھیل اور گڑیوں کے گھروندوں سے زیادہ وقعت نہیں دے سکتا اور جاہ و جلال کی کسی نمائش کے موقع پر کلمۂ حق کہنے سے کبھی باز نہیں رہ سکتا۔ یہی توحید و تجرید کا طبعی نتیجہ، حقیقی تصوف کا خاصہ اور مردانِ خدا اور درویشانِ کامل کا شیوہ ہے۔ ؎

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللٰہی
آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضرت خواجہؒ کے تربیت یافتہ خدام و مریدین نے اس

marfat.com

"اسرار اللہی" اور اس حق گوئی و بیباکی کے ایسے نمونے پیش کئے جن کی نظیر ملنی آسان نہیں۔

سلاطین وقت سے بے رغبتی اور حق گوئی کے نمونے

سلطان محمد تغلق کے شوکت و جبروت سے تاریخ کا ہر طالبِ علم واقف ہے۔ سلطان کا ایک مرتبہ ہانسی کے پاس سے گزر ہوا۔ وہاں سے چار کوس کے فاصلہ پر بنسی مقام میں خیمۂ شاہی و خرگاہ نصب ہوا سلطان نے مخلص الملک نظام الدّین ندر باری کو جو اپنے ظلم وقساوت میں اس زمانہ میں مشہور تھا۔ ہانسی کے حصار کے معائنہ کے لئے بھیجا۔ وہ جب حضرت شیخ قطب الدّین منور (نبیرہ حضرت شیخ جمال الدین ہانسوی وخلیفہ حضرت سلطان المشائخ) کے مکان کے پاس پہنچا تو دریافت کیا کہ یہ مکان کس کا ہے؟ لوگوں نے کہا شیخ قطب الدین منور کا جو حضرت سلطان المشائخ کے خلیفہ ہیں۔ کہا کہ عجیب بات ہے کہ بادشاہ اس جوار میں آئے اور شیخ اس کے سلام کو حاضر نہ ہوں؟ مخلص الملک نے واپسی پر سب کیفیت عرض کی۔ اور یہ بھی کہا کہ سلطان المشائخ کے ہانسی میں ایک خلیفہ ہیں جو جہاں پناہ کے سلام کے لئے حاضر نہیں ہوئے۔ بادشاہ کو یہ سُنکر غصہ آیا اسی وقت حسن سر برہنہ کو جو ایک بڑا مغرور و جاہ پسند شخص تھا شیخ قطب الدین کو لانے کے لئے بھیجا۔ حسن سر برہنہ جب

marfat.com

مکان کے قریب پہنچا تو تنہا پیادہ پا شیخ کی دہلیز میں آکر عاجزانہ طریقے پر بیٹھ گیا۔ شیخ نے بلایا۔ حسن نے جا کر عرض کیا کہ آپ کی بادشاہ کے یہاں طلبی ہے۔ فرمایا کہ اس میں مجھے کچھ اختیار ہے یا نہیں؟ اس نے کہا مجھے فرمانِ سلطانی ہے کہ میں آپ کو بہر حال لے آؤں۔ شیخ نے فرمایا الحمدللہ کہ میں اپنے اختیار سے نہیں جا رہا ہوں۔ پھر گھر والوں کی طرف رُخ کیا اور فرمایا کہ تم کو خدا کے سپرد کیا۔ یہ کہا اور مصلیٰ کاندھے پر ڈالا لاٹھی ہاتھ میں لی اور پیادہ پا روانہ ہو گئے۔ حسن نے سواری کے لئے عرض کیا۔ فرمایا نہیں، مجھ میں قوت ہے۔ میں پیدل چل سکتا ہوں جب بنسی پہنچے تو سلطان کو خبر ہوئی۔ سلطان نے حکم دیا کہ دہلی چلیں دہلی پہنچ کر دربار شاہی میں طلب کیا۔ شیخ نے فیروز شاہ سے جو اس زمانہ میں نائب باربک تھے۔ کہا کہ ہم فقیر لوگ ہیں بادشاہوں کی مجلس کے آداب سے واقف نہیں۔ جیسا آپ کا مشورہ ہو ویسا کیا جائے۔ فیروز نے جو فقیر دوست اور صحیح الاعتقاد شخص تھا کہا کہ لوگوں نے آپ کے متعلق بادشاہ کے کان بہت بھرے ہیں۔ اگر آپ کچھ تعظیم اور تواضع سے کام لیں تو بہتر ہے۔ ایوانِ شاہی کی دہلیز میں قدم رکھا تو امراء و ملوک اور نقیب و چاؤش دو رویہ کھڑے تھے۔ صاحبزادہ نورالدین جو ہانسی سے ہمرکاب آئے تھے۔ کم عمر تھے اور انھوں نے کبھی بادشاہوں کی بارگاہ دیکھی نہیں تھی۔ ان پر ایک ہیبت سی طاری ہوئی شیخ قطب الدین منور نے ان سے پکار کر کہا کہ "بابا نورالدین العظمۃ والکبریاء للہ

marfat.com

صاحبزادہ کا بیان ہے کہ یہ سنتے ہی میرے اندر ایک قوت پیدا ہوئی۔ سارا رعب جاتا رہا۔ اور جو امراء و ملوک وہاں کھڑے تھے وہ مجھے بالکل بکریوں کی طرح معلوم ہونے لگے۔ جب سلطان کو یہ اندازہ ہوا کہ شیخ آرہے ہیں تو وہ کھڑا ہوگیا اور کمان ہاتھ میں لے کر تیر اندازی میں مشغول ہوگیا۔ شیخ قریب آئے تو اس نے خلاف معمول تعظیم کی اور مصافحہ کیا۔ شیخ نے بہت مضبوطی سے بادشاہ کا ہاتھ پکڑا۔ بادشاہ نے کہا کہ میں آپ کے جوار میں پہنچا، آپ نے میری کوئی تربیت نہ فرمائی، اور اپنی ملاقات سے عزت نہ بخشی؟ شیخ نے فرمایا کہ یہ درویش اپنے کو اس کا اہل نہیں سمجھتا کہ بادشاہوں سے ملاقات کرے۔ ایک کونے میں پڑا ہوا بادشاہ اور اہلِ اسلام کی دُعاگوئی میں مصروف ہے۔ اس کو معذور سمجھا جائے۔ بادشاہ بہت متأثر ہوا۔ اور اپنے بھائی فیروز شاہ سے کہا کہ شیخ کی جیسی مرضی ہو، ویسا کرو۔ شیخ منور نے فرمایا کہ مجھ فقیر کا مقصود و مطلوب یہی ہے کہ اپنے دادا اور باپ کے گوشۂ عافیت میں واپس جائے فیروز شاہ نے اس کی تعمیل کی۔ شیخ کی واپسی کے بعد بادشاہ نے ایک امیر سے کہا کہ مجھے جن بزرگوں سے مصافحہ کرنے کا اتفاق ہوا ہے۔ جس نے مجھ ہاتھ ملایا ہے اس کے ہاتھ میں کپکپی تھی۔ لیکن شیخ منور نے اتنی مضبوطی سے مصافحہ کیا کہ ان پر ذرا اثر نہیں معلوم ہوتا تھا۔

marfat.com

بادشاہ نے فیروز شاہ اور مولانا ضیاء الدین برنی کو ایک لاکھ تنکے کے ساتھ شیخ منور کی خدمت میں بھیجا۔ شیخ نے فرمایا۔ نعوذ باللہ کہ یہ درویش ایک لاکھ تنکہ قبول کرے۔ انھوں نے واپس آکر سلطان سے عرض کیا۔ سلطان نے کہا کہ اگر ایک لاکھ نہیں قبول کرتے تو پچاس ہزار پیش کرو۔ شیخ نے اس کو بھی قبول نہ کیا۔ سلطان نے فرمایا اگر شیخ یہ بھی قبول نہ کریں گے تو خلقت مجھے کیا کہے گی۔ یہاں تک کہ بات دو ہزار تک پہنچی۔ فیروز شاہ اور مولانا ضیاء الدین نے عرض کیا کہ اس سے کم کا ہم بادشاہ کے سامنے تذکرہ نہیں کر سکتے۔ شیخ نے فرمایا کہ سبحان اللہ! درویش کو تو دو سیر چاول دال اور ایک دانگ کا گھی کافی ہے۔ وہ ان ہزاروں روپیوں کو کیا کرے گا۔ بڑی کوششوں اور حیلوں سے یہ کہکر کہ بادشاہ درپے آزار ہو جائے گا۔ آپ نے وہ دو ہزار تنکے قبول کئے۔ اور وہ بھی اپنے برادرانِ طریقت اور اہلِ حاجت میں تقسیم کر کے ہانسی واپس آگئے۔[1]

جس زمانہ میں سلطان محمد تغلق نے دہلی کی آبادی کو دیوگیر منتقل ہو جانے کا حکم دیا۔ اس زمانہ میں اس نے عزم کیا کہ ترکستان اور

---

[1] تنکا یا ننگا، اس عہد میں ہندوستان کا روپیہ تھا۔ اس میں ایک تولہ چاندی ہوتی تھی۔ یہ ترکی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنیٰ سفید کے ہیں۔ یعنی نقرئی سکہ۔

marfat.com

خراسان کو بھی اپنے قبضے میں لائے اور چنگیز خاں کی اولاد کا قلع قمع کرے۔ اسی زمانہ میں حکم ہوا کہ دہلی اور اطرافِ دہلی کے تمام صدور و اکابر حاضر ہوں، بڑے بڑے خیمے نصب کریں۔ ان خیموں میں منبر رکھے جائیں اور ان منبروں پر چڑھ کر حضرات علماء تقریریں کریں اور جہاد کی ترغیب دیں۔ اس روز حضرت خواجہ نظام الدّین رح کے خلفاء خاص مولانا فخر الدین زرّادی، مولانا شمس الدّین یحییٰ اور شیخ نصیر الدّین محمود کی بھی طلبی ہوئی۔ شیخ قطب الدین دبیر[1] جو حضرت سلطان المشائخ کے ایک راسخ الاعتقاد مرید اور مولانا فخر الدّین زرّادی کے شاگرد تھے۔ مولانا فخر الدین کو سب سے پہلے بارگاہِ سلطانی میں لائے۔ مولانا کو سلطان کی ملاقات سے بہت اجتناب تھا۔ کئی بار فرمایا کہ میں اپنے سر کو اس شخص کے دربار میں کٹا ہوا اور پڑا ہوا دیکھتا ہوں، یعنی میں کلمۂ حق کہنے سے باز نہیں رہوں گا۔ اور یہ شخص مجھے معاف نہیں کرے گا۔ جب مولانا سرا پردۂ سلطانی میں داخل ہوئے تو شیخ قطب الدّین دبیر نے مولانا کی جوتیاں اٹھالیں اور خدمت گاروں کی طرح بغل میں لیکر کھڑے ہو گئے۔ سلطان نے ان سے کچھ نہیں کہا اور مولانا فخر الدین سے بات چیت میں مشغول ہو گیا۔ سلطان نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ میں

---

[1] دبیر کا عہدہ سکریٹری کا سمجھنا چاہیئے۔ ۱۲

marfat.com

چنگیز خاں کی اولاد کا قلع قمع کروں۔ آپ اس کام میں ہمارا ساتھ دیں گے ؟ مولانا نے فرمایا اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی سلطان نے کہا یہ شک کا کلمہ ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ مستقبل کے متعلق ایسا ہی کہا جاتا ہے۔ سلطان نے یہ سُنکر پیچ و تاب کھایا اور کہا کہ ہمیں کچھ نصیحت کیجیئے ؟ مولانا نے فرمایا کہ غصّہ دباؤ۔ سلطان نے کہا کون سا غصّہ مولانا نے فرمایا غَضَبُ سَبُعِیْ (درندوں والا غصّہ) اس پر سلطان کو ایسا غصّہ آیا کہ چہرہ پر ظاہر ہو گیا۔ مگر کچھ کہا نہیں۔ کہا کہ کھانا لاؤ۔ خاصہ شاہی لگا۔ سلطان اور مولانا دونوں ایک ہی پلیٹ میں کھا رہے تھے۔ مولانا ایسی ناگواری کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ سلطان کے ساتھ ہم پیالہ ہونا پسند نہیں کرتے۔ سلطان اور زیادہ اظہارِ تعلق کے لئے ہڈی سے گوشت نکال نکال کر مولانا کے سامنے رکھتا تھا۔ مولانا بڑی ناگواری کے ساتھ تھوڑا تھوڑا کھاتے تھے، پھر دسترخوان بڑھایا گیا اور سلطان نے مولانا کو رخصت کیا۔ رخصت کے وقت ایک اونی پوشاک اور ایک روپیہ کی تھیلی پیش کی۔ لیکن اس سے پہلے کہ خلعت اور کیسہ مولانا کے ہاتھ میں آئے، شیخ قطب الدّین دبیر نے ہاتھ بڑھا کر اُن کو لے لیا۔ ان کے رخصت ہونے کے بعد سلطان نے شیخ قطب الدّین دبیر سے کہا کہ اے فریبی آدمی تو نے یہ کیا حرکت کی۔ پہلے فخرالدین کی جوتیاں اپنے بغل میں لیں پھر ان

marfat.com

کی خلعت اور کیسہ سنبھال لیا۔ اور اس کو میری تلوار سے بچالیا اور بلا اپنے سر لے لی۔ شیخ قطب الدّین دبیر نے کہا کہ مولانا فخر الدّین میرے استاد اور میرے مرشد کے خلیفہ ہیں۔ میرے لئے مناسب تو یہ تھا کہ میں ان کی جوتیاں تعظیماً سر پر رکھتا بغل میں لینا تو کوئی بڑی بات نہیں، اور یہ خلعت اور کیسہ کیا بڑی چیز ہے؟ سلطان نے کہا کہ ان کفر آمیز عقیدوں کو چھوڑ دو، ورنہ میں قتل کر دوں گا۔ اخیر وقت جب مولانا فخر الدّین زرّادیؒ کا ذکر سلطان کی مجلس میں آتا تو سلطان ہاتھ مل کر کہتا کہ افسوس فخر الدّین میری خوں آشام تلوار بچ گئے۔[1]

اسلامی سلطنت کی رہنمائی ونگرانی

مشائخِ چشت نے اگرچہ سلاطینِ وقت سے بے تعلق اور "سرکار، دربار" سے دور رہنے کا فیصلہ کیا تھا اور اس کو اپنے اور اپنے پورے سلسلہ کے لئے دائمی اصول بنا دیا تھا۔ لیکن وہ سلاطینِ وقت کی رہنمائی ونگرانی سے غافل نہیں تھے اور جب کبھی ان کو صحیح مشورہ یا کسی بہتر انتخاب یا اپنا روحانی اثر استعمال کرنے کا موقع ملتا تو وہ اس زرّیں موقع کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ ہندوستان کی مرکزی سلطنت کے متعدد فرمانروا اور صوبوں

---

[1] سیر الاولیاء ص ۲۷۰ و ص ۲۷۳

marfat.com

کی خود مختار سلطنتوں کے متعدد حکمراں ان مشائخ چشت سے عقیدت ومحبّت کا تعلّق رکھتے تھے اور اس تعلق سے بہت سے مفاسد کا ازالہ، بہت سے منکرات کا سدّ باب اور بہت سے احکامِ شریعت اور عدل گستری اور خلق پروری کا رواج ہوا۔

ہندوستان کے سلاطین میں سلطان فیروز تغلق کو اپنی حُسنِ سیرت، نیک نفسی، رعیت پروری، رحم دلی، امن پسندی، رفاہ عامّہ ازالۂ مظالم اور تبلیغِ اسلام کے ذوق، مدارس کے قیام وغیرہ میں جو امتیاز وخصوصیت حاصل تھی۔ اس میں مشکل ہی سے ہندوستان کا کوئی دوسرا فرمانروا اس کا سہیم وشریک ہوگا۔ سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی سے اس بادشاہ کے تعمیری کارناموں اور اس کے زمانہ کی خیر وبرکت، امن وامان اور سرسبزی کا کچھ اندازہ ہوسکتا ہے۔

تاریخ فرشتہ کا مصنّف لکھتا ہے۔

او بادشاہے بود فاضل وعادل وکریم ورحیم وحلیم و رعیت وسپاہی ازو راضی بودند وہیچ کس در عہدِ او یارائے ظلم نہ	وہ ایک فاضل، منصف مزاج، شریف ومہربان، رحم دل وبردبار بادشاہ تھا۔ رعیت اور فوج سب اس سے راضی تھی۔ کسی کو اس کے عہدِ حکومت میں ظلم کرنے

marfat.com

داشت[1]۔ کی مجال نہ تھی۔

مصنّف نے اس کے آئینِ حکومت کی تین بڑی خصوصیتیں لکھی ہیں۔ اس نے کسی مسلمان یا ذمی کی سیاست[2] وتعزیر نہیں کی، انعامات عطیوں اور تالیف قلب کی وجہ سے لوگوں کو سیاست کی ضرورت نہیں رہی۔

۲۔ خراج و محاصل کو رعایا کی استطاعت کے مطابق وصول کیا۔ اضافہ اور توفیر کو جو سلاطینِ ماضی کا دستور تھا موقوف کیا۔ رعایا کے بارے میں کسی مفسد کی شکایت کی سماعت نہیں کی۔ اس کی بدولت ملک آباد اور رعایا مرفہ الحال رہی۔

۳۔ حکومت کے عہدوں اور علاقوں کی صوبہ داری پر دیندار وخداترس لوگوں کو مامور کیا۔ کسی فساد انگیز و بدنفس کو عہدہ نہیں دیا۔ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ کے اصول کے مطابق، حکام و امراء اور کارپردازانِ حکومت نے بھی اس کی پیروی کی[3]۔

لیکن بہت سے لوگوں کو یہ نہ معلوم ہوگا کہ فیروز شاہ کی تخت نشینی اور اس کے انتخاب میں خواجہ نصیرالدّین چراغ دہلی

---

[1] تاریخ فرشتہ (جلد اوّل) ص۲۷۸

[2] تعزیر و تعذیب کے وہ نئے نئے طریقے جو سلاطین سابق نے ایجاد کئے تھے۔

[3] تاریخ فرشتہ (جلد اوّل) ص۲۷۱

marfat.com

کا خاص ہاتھ[1] اور اس کی فیروزمندی اور کامیابیوں میں ان کی دعاؤں اور توجہات کا بہت بڑا حصہ تھا۔

سراج عفیف لکھتے ہیں۔

چوں سلطان محمد دینال طغی در ٹھٹھہ رفت خدمتِ شیخ نصیرالدین را برابر خود برد، چوں سلطان محمد در ٹھٹھہ نقل کرد و سلطان فیروز شاہ در بادشاہی نشست خدمت شیخ نصیرالدین بر سلطان فیروز شاہ پیغام کردہ کہ بایں خلق عدل و انصاف خواہی کرد و یا برائے ایں مشتے مسکیناں والیٔ دیگر از اللہ تبارک و تعالیٰ التماس کردہ آید، سلطان فیروز جواب فرستاد کہ بابندگانِ خدائے تعالیٰ حلم و رزم و اتفاق کنم، چوں خدمت

جب سلطان محمد تغلق ٹھٹھہ ملک طغی کی بغاوت فرو کرنے گیا ہوا تھا۔ حضرت شیخ نصیرالدین کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ سلطان کا جب انتقال ہوا اور سلطان فیروز شاہ دربار شاہی میں بیٹھا۔ حضرت شیخ نصیرالدین نے فیروز شاہ کو پیغام بھیجا کہ خدا کی اس مخلوق کے ساتھ تم عدل و انصاف کروگے یا میں ان غریبوں کے لئے اللہ سے کوئی دوسرا حاکم مانگوں؟ سلطان فیروز نے جواب دیا کہ "بابندگانِ

---

[1] تاریخ فرشتہ صـ۲۵۹ (ج ۱)

marfat.com

شیخ ایں لفظ شنید بر سلطان فیروز جواب فرستاد اگر با خلق ایں چنیں خلق خواہی کرد، ماہم برائے تو از اللہ تبارک وتعالیٰ چہل سال ملک خواستہ ایم، عاقبت ہم چناں شد، سلطان فیروز تا چہل ساں ملک راند[1]

خدائے تعالیٰ حلم ورزم و اتفاق کنم"۔ جب حضرت شیخ نے یہ جواب سنا تو کہلوا بھیجا کہ اگر مخلوق کے ساتھ اسی طرح معاملہ کروگے تو میں نے اللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے چالیس سال مانگ لیئے ہیں اور واقعہ بھی یہی ہے کہ سلطان فیروز نے چالیس سال تک حکومت کی۔

سلطان محمد شاہ بہمنی (۷۵۹، ۷۶، ھ) کو تمام مشائخِ دکن نے بادشاہ تسلیم کرلیا تھا اور اس کے ہاتھ پر حاضرانہ اور غائبانہ بیعت کرلی لیکن حضرت شیخ برہان الدّین غریب کے خلیفہ وجانشین حضرت شیخ زین الدّین (م ۸۰۱ھ) نے اس بناء پر انکار کردیا کہ بادشاہ شراب نوشی اور منہیاتِ شرعی کا مرتکب ہے اور فرمایا۔

سزاوارِ پادشاہی خلق کسے ہست کہ در حفظ شعار

خلقِ خدا پر حکومت کرنے کا اہل وہ شخص ہے جو شعائر اسلام

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص۲۸

marfat.com

ملّت محمدیؐ کو شیدہ سرّاً و علانیۃً پیامونِ مناہی نہ گردد۔	کی حفاظت میں کوشش کرے اور خلوت و جلوت کسی حالت میں بھی ممنوعات شرعی کے قریب نہ جائے۔

۷۶۷ھ میں جب سلطان دولت آباد میں فاتحانہ داخل ہوا تو حضرت شیخ کو پیغام بھیجا کہ یا تو آپ میرے دربار میں حاضر ہوں یا میری خلافت کی تحریر اپنے دست خاص کی میرے پاس بھیجیں۔ شیخ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ایک مرتبہ کسی تقریب سے ایک عالم، ایک سیّد اور ایک ہیجڑا کافروں کے ہاتھ پکڑ گئے انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ تینوں بُت خانہ میں جائیں۔ جو بُت کا سجدہ کرے گا اس کی جان بخشی ہو گی۔ اور جو انکار کرے گا وہ قتل کر دیا جائے گا۔ پہلے عالم کو لے گئے۔ انھوں نے قرآن کی رخصت پر عمل کیا[1] اور بت کا سجدہ کر کے اپنی جان بچا لی۔ سیّد نے عالم کی تقلید کی، جب ہیجڑے کی باری آئی تو اس نے کہا میری تمام زندگی ناشائستہ کاموں میں گذری۔ میں نہ عالم ہوں نہ سیّد کہ ان میں سے کسی فضیلت کی پناہ میں ایسا کام کروں، اس نے قتل ہو جانا

---

[1] الا ان تتقوا منھم تقاۃ (آل عمران، رکوع ۳) مگر ایسی صورت میں کہ تم ان سے کسی قسم کا (قوی) اندیشہ رکھتے ہو۔

marfat.com

منظور کر لیا اور بت کا سجدہ نہیں کیا۔ میرا قصہ بھی اُسی ہجڑے کے قصہ سے مطابقت رکھتا ہے۔ میں تمہارے ہر قسم کے ظلم کو برداشت کروں گا۔ لیکن نہ دربار میں حاضر ہوں گا اور نہ تمہارے ہاتھ پر بیعت کروں گا۔ بادشاہ کو سخت غصہ آیا اور شہر سے نکل جانے کا حکم دیا۔ شیخ نے بلا توقف اپنی جائے نماز کاندھے پر ڈالی، اور شیخ برہان الدین کے مقبرے میں جا کر ان کی قبر کی پائنتی اپنی لاٹھی گاڑ دی اور جائے نماز بچھا کر بیٹھ گئے۔ اور کہا کہ اب کوئی مرد ہو تو مجھے اپنی جگہ سے ہلائے۔ بادشاہ نے جب شیخ کی یہ مضبوطی اور استقامت دیکھی تو پشیمان ہوا۔ اور اپنے ہاتھ سے یہ مصرع کاغذ پر لکھ کر صدرِ شریف کے ہاتھ بھیجا۔ ع

"من زاں نوام تو ازں من باش"

شیخ نے فرمایا کہ اگر سلطان محمد شاہ غازی شریعت کے طور و طریق کی حفاظت و ترویج کی کوشش کرے اور ممالک محروسہ سے شراب خانے یک قلم اٹھا دے، اپنے باپ کی سنّت پر عمل کرے اور لوگوں کے سامنے شراب نہ پیئے، اور قضاۃ و علماء و صدور کو حکم دے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں سعی بلیغ سے کام لیں۔ تو فقیر زین الدّین سے بڑھ کر بادشاہ کا کوئی دوسرا دوست و خیر خواہ نہ ہوگا۔ نیچے یہ شعر اپنے قلمِ مبارک سے تحریر فرمایا۔ ؎

تا من بزیم بجز نکوئی نہ کنم جز نیک دلی و نیک خوئی نہ کنم

marfat.com

آنہا کہ بجائے ما بدیہا کردند تا دست رسد بجز نکوئی نہ کنم

(ترجمہ) جب تک جان میں جان ہے سوائے اچھائی نیک دلی اور نیک خوئی کے مجھ سے کچھ سرزد نہ ہوگا۔ جن لوگوں نے ہمارے ساتھ برائی کی۔ جب موقع ملے گا ہم ان کے ساتھ سوائے بھلائی کے کچھ نہ کریں گے۔)

سلطان محمد شاہ اپنے نام کے ساتھ غازی کا خطاب دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اور فرمان جاری کیا کہ القاب شاہی کے ساتھ اس کا بھی اضافہ کیا جائے۔ قبل اس کے کہ سلطان کی حضرت شیخ سے ملاقات ہو۔ سلطان نے مرہٹ واڑہ کی حکومت مسند عالی خان محمد کے حوالہ کی اور خود بدولت گلبرگہ پہنچا اور شراب کی دکانوں کو اپنی پوری حکومت سے ختم کر کے شریعت کی ترویج واشاعت میں اپنی کوشش مبذول کی۔ دکن کے چوروں وفسادیوں کو جو دور دور مشہور تھے اور جنھوں نے رہزنی کو اپنا شیوہ بنالیا تھا۔ ختم کرنے کا انتظام کیا۔ چھ سات مہینے کے اندر اندر ملک ان سے پاک ہوگیا۔ ایک روایت کے مطابق چھ مہینے کی مدت میں چوروں رہزنوں کے بیس ہزار سر کاٹ کر اطراف وجوانب سے گلبرگہ میں لائے گئے۔ سلطان اس عرصہ میں حضرت شیخ زین الدین سے برابر خط وکتابت کرتا رہا۔ اور اخلاص وعقیدت کی راہ و رسم بڑھاتا رہا۔ شیخ نے بھی اس کی ہمت افزائی، قدردانی اور ہدایات اور مشوروں

marfat.com

سے دریغ نہیں کیا۔[1]

چشتیوں کی بڑی بڑی خانقاہیں ہندوستان کے جن حصّوں اور صوبوں میں قائم ہوئیں۔ انھوں نے وہاں کی اسلامی حکومتوں اور سلاطینِ وقت کی رہنمائی اور اسلامی حکومت کی حفاظت و تقویت سے غفلت نہیں کی۔ بنگال کی مشہور عالم خانقاہ جو پنڈوہ میں تھی وہاں کی اسلامی حکومت کے لئے قوت اور پشت پناہی کا ذریعہ تھی۔ جب وہاں سے اسلامی اقتدار ختم ہونے لگا تو ان درویشوں نے اس کی فکر کی اور اس کو دوبارہ بحال کرنے کی امکانی کوشش کی[2]۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی تاریخ مشائخ چشت میں لکھتے ہیں۔

حضرت نور قطب عالم شیخ علاء الحق کے فرزند رشید تھے۔ جس زمانہ میں وہ مسندِ ارشاد پر جلوہ افروز تھے بنگال کی سیاست بڑے نازک دور سے گذر رہی تھی راجہ کنس (جو بھٹوریہ ضلع راج شاہی کا جاگیردار تھا) بنگال کے تخت پر قابض ہوگیا تھا اور مسلمانوں کی قوت کا خاتمہ کرنے پر تلا ہوا تھا۔ حضرت نور قطب عالم نے براہِ راست

---

[1] تاریخ فرشتہ (جلد اوّل) از ص۵۶۰ تا ص۵۶۲، طبع بمبئی ۱۸۳۲ھ - ۱۲

[2] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ریاض السلاطین تاریخ بنگالہ تصنیف غلام حسین سلیم ص۱۱۰ عنوان مسلط شدن راجہ کانس زمیندار تا ص۱۱۶ - ۱۲

marfat.com

اور سیّد اشرف جہانگیر سمنانی کی وساطت سے سلطان ابراہیم شرقی کو بنگال پر حملہ کرنے کی دعوت دی، سیّد اشرف جہانگیر کے مجموعے میں وہ دلچسپ خطوط خاص طور سے مطالعہ کے قابل ہیں۔ جن میں اس سیاسی کشمکش کی تفصیل درج ہے۔ سیّد اشرف جہانگیر نے جو خط حضرت نور قطب عالم کے مکتوب کے جواب میں لکھا تھا وہ بنگال میں صوفیائے کرامؒ کے کارناموں پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔[1]"

ان چند واقعات سے جو تاریخ کے وسیع انبار میں سے "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر بغیر کسی تاریخی ترتیب کے جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اندازہ ہوگا کہ مشائخ چشت کا تصوّف محض عزلت و خلوت نفس کشی اور ترکِ دنیا اور اقبال کے الفاظ میں "سر بزیری اور گوسفندی دمیشی" نہیں تھا۔ انھوں نے اپنے اپنے دور میں زمانے کے دھارے کو بدلنے اور حالاتِ زمانہ سے پنجہ آزمائی کی بھی کوشش کی۔ جابر سلاطین کے روبرو کلمۂ حق کہنے ان کے غلط رجحانات کا مقابلہ کرنے اور ان کو صلاح و مشورہ دینے سے بھی پس و پیش نہیں کیا۔ اور جب کبھی اُن کے اولوالعزم مشائخ

---

[1] تاریخ مشائخ چشت ص ۲۰۲

کو موقع ملا۔ انھوں نے اصلاح وانقلاب کی کوششوں سے بھی دریغ نہیں کیا۔

اشاعتِ اسلام

سلسلۂ چشتیہ کی بنیاد ہندوستان میں پہلے ہی دن سے اشاعت وتبلیغ اسلام پر پڑی تھی۔ اور اس کے عالی مرتبت بانی حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے ہاتھ پر اس کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے کہ تاریخ کے اس اندھیرے میں ان کا اندازہ لگانا مشکل ہے عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد کی یہ کثرت بہت کچھ حضرت خواجہؒ کی کوششوں اور روحانیت کی رہین منّت ہے۔ ان میں سے ایک بڑی تعداد حضرت خواجہؒ کی روحانی قوت، اشراقی کمال اور عنداللہ مقبولیت کے واقعات سے مسلمان ہوئی۔ اس وقت تک ہندوستان جوگ واشراقیت کا ایک بڑا مرکز تھا۔ یہاں کے بہت سے فقیر وسنیاسی اشراقی اور قلبی قوت میں بڑا کمال رکھتے تھے۔ ریاضتِ شاقہ اور مختلف مشقوں سے انھوں نے کشف وتصرّف کی بڑی قوت بڑھا رکھی تھی۔ ان میں بہت سے لوگ اس نووارد مسلمان فقیر کے امتحان اور اس کو زک دینے کے لئے اس کے پاس آئے لیکن ان کو بہت جلد معلوم ہوگیا کہ یہ غریب الوطن درویش ان سے اپنی قلبی قوت اور اشراقیت میں بڑھا ہوا ہے۔ اور ساحرین فرعون کی طرح ان

marfat.com

کو یہ اندازہ ہوگیا کہ اس کے کمالات اور قوتوں کا منبع اور سرچشمہ کچھ اور ہے۔ اسی کے ساتھ ان کے اخلاق کی پاکیزگی، صاف ستھری زاہدانہ اور بے طمع زندگی، ایمان ویقین کی قوت خلقِ خدا کے ساتھ ہمدردی، اور بلاتفریقِ مذہب وملّت انسان سے محبّت اور انسانیت کا احترام دیکھکر مخالفین بھی معتقد اور دشمن بھی دوست ہوگئے۔ تذکرہ وتصوّف کی کتابوں میں اس سلسلہ میں جوگیوں وسنیاسیوں کے ساتھ مقابلہ اور حضرت خواجہؒ کی اشراقی قوت اور کشف وتصرفات کے جو واقعات کثرت کے ساتھ نقل کئے گئے ہیں۔ اگرچہ ان کو تاریخی سند سے اور قدیم تر معاصر مآخذ کے ذریعہ ثابت کرنا مشکل ہے۔ لیکن ہندوستان کے اس وقت کے ذوق ورجحان اور اجمیر کی دینی وروحانی مرکزیت کو دیکھتے ہوئے یہ واقعات خلاف قیاس نہیں، دراصل جس چیز نے حضرت خواجہؒ کا گرویدہ اور اسلام کا حلقہ بگوش بنایا۔ وہ تنہا ان کی قلبی قوت نہ تھی۔ بلکہ ان کی روحانیت، اخلاص واخلاق اور ان کا وہ طرزِ زندگی تھا۔ جس کا ہندوستان کے اہلِ فن اور عوام نے اس سے پہلے کبھی تجربہ نہیں کیا تھا۔

خواجہ بزرگؒ کے اہل سلسلہ میں سے حضرت خواجہ فریدالدّین گنج شکرؒ کی کوششوں اور توجہات کو اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ ان کی مجالس اور خانقاہ میں ہر مذہب

marfat.com

وملّت کے آدمی اور ہر طبقہ کے لوگ آتے تھے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں۔

بخدمت شیخ الاسلام فریدالدّین از ہر جنس درویش وغیر آں برسید۔[1]	حضرت خواجہ فریدالدّینؒ کی خدمت میں ہر صنف ونوع کے لوگ درویش وغیر درویش پہنچتے تھے۔

حضرت خواجہؒ کو اللہ تعالیٰ نے جو عالی استعداد، قلبی قوت عطا فرمائی تھی۔ اس کے پیشِ نظر بعید نہیں کہ اشاعتِ اسلام میں وہ بھی معین ہوئی ہو۔ اور نومسلموں کی بہت بڑی تعداد، ان کی روحانیت اور کشف وکرامات دیکھ کر مسلمان ہوئی ہو۔ پنجاب اور پاک پٹن کے اطراف میں بہت سی مسلمان برادریاں اور خاندان اپنے اسلاف کے قبولِ اسلام کو حضرت خواجہ کی توجہ اور تبلیغ کا نتیجہ سمجھتے ہیں اور اپنی نسبت ان کی طرف کرتے ہیں۔

پروفیسر آرنلڈ اپنی کتاب (PREACHING OF ISLAM) میں لکھتے ہیں۔

پنجاب کے مغربی صوبوں کے باشندوں نے خواجہ بہاءالحق ملتانی اور بابا فرید پاک پٹنی کی تعلیم سے اسلام قبول کیا۔

---

[1] فوائد الفواد ص۵

marfat.com

یہ دونوں بزرگ تیرھویں صدی عیسوی کے قریب خاتمہ اور چودھویں صدی عیسوی کے شروع میں گذرے ہیں۔ بابا فرید شکر گنج رح کا تذکرہ جس مصنف نے لکھا ہے اس نے تحریر کیا ہے کہ سولہ قوموں کو انھوں نے تعلیم و تلقین سے مشرف باسلام کیا۔ لیکن افسوس ہے۔ اس مصنّف نے ان قوموں کے مسلمان ہونے کا مفصّل حال نہیں لکھا۔[1]

حضرت خواجہ نظام الدّین رح کو اہل ہند میں اشاعتِ اسلام سے بڑی دلچسپی تھی۔ لیکن وہ یہ سمجھتے تھے کہ محض تقریر اور کہنے سننے سے کسی شخص کا اپنے قدیم عقیدے سے ہٹنا اور نئے دین کو قبول کر لینا بالخصوص ہندو قوم کا، جو اپنی پختگی، قدامت پرستی اور ذات پات اور چھوت چھات کی پابندی میں خاص امتیاز رکھتی ہے۔ محض حسنِ تقریر اور وعظ و نصیحت سے مسلمان کر لینا آسان نہیں اس کے لئے ان کے لئے موثر و طویل صحبت کی ضرورت تھی۔

فوائد الفواد میں ہے کہ ایک غلام جو مسلمان تھا حضرت کی مجلس مبارک میں حاضر ہوا۔ اور اپنے ایک ہندو دوست کو اپنے

---

[1] دعوتِ اسلام، ترجمہ مولوی عنایت اللہ دہلوی ص ۲۹۷

ساتھ لایا اور کہا کہ یہ میرا بھائی ہے۔ حضرت خواجہؒ نے اس غلام سے فرمایا کہ تمہارا یہ بھائی کچھ اسلام کی طرف بھی میلان رکھتا ہے؟ غلام نے عرض کیا کہ اس کو حضرت کے قدموں میں اسی لئے لایا ہوں کہ آپ کی نظرِ کیمیا اثر کی برکت سے یہ مسلمان ہو جائے۔ یہ سُنکر حضرت خواجہؒ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ فرمایا کہ کسی کے کہنے سننے سے اس قوم کا دل نہیں پھرتا۔ ہاں اگر اس کو کسی نیک بندے کی صحبت میسر آ جائے تو امید ہوتی ہے کہ اس کی صحبت کی برکت سے وہ مسلمان ہو جائے[1]

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس پچاس برس کے عرصہ میں جس میں حضرت خواجہ نظام الدینؒ دہلی جیسے مرکزی مقام میں مسند ہدایت وارشاد پر متمکن رہے۔ اور ان کی خانقاہ کا دروازہ ہر انسان کیلئے کھُلا رہا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان کے دور دراز گوشوں سے مختلف ضرورتوں اور تقریبوں سے لاکھوں کی تعداد میں غیر مسلم آتے تھے اور اپنی قومی خوش اعتقادی کی بناء پر حضرت خواجہؒ کی زیارت کو بھی حاضر ہوتے تھے۔ بڑی تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے۔ میوات کا علاقہ جو حضرت خواجہؒ کے مرکز غیاث پور سے جانبِ جنوب متصلاً واقع ہے اور جہاں کے رہنے والوں کی رہزنی

---

[1] فوائد الفواد ص ۱۸۲

marfat.com

اور شورہ پشتی کی وجہ سے کچھ عرصہ پہلے سلطان ناصر الدّین محمود کے زمانہ میں شہر پناہ دہلی کے دروازے سرِ شام ہی سے بند ہو جاتے تھے اور جن کی کئی بار غیاث الدّین بلبن کو تادیب کرنی پڑی۔ حضرت خواجہؒ کے فیوض و برکات اور ان کی تعلیم و تربیت کے اثرات سے ضرور مستفید ہوا ہوگا۔ اور عجب نہیں کہ اتنی بڑی تعداد میں میواتی انھیں کے زمانہ میں مسلمان ہوئے ہوں۔

چشتی خانقاہوں نے اپنے اپنے حلقۂ اثر میں بالواسطہ اور بلاواسطہ گردو پیش کی غیر مسلم آبادیوں کو اپنے اخلاق، روحانیت اور مساوات و اخوت سے جس کی فضا ان خانقاہوں میں قائم تھی ضرور متأثر کیا اور ان قوموں کو جو کشف و کرامات اور روحانیت سے خاص طور پر متأثر ہوتی ہیں اسلام میں داخل کرنے کا ذریعہ بنے۔ پنڈوہ کی چشتی خانقاہ اور احمد آباد و گلبرگہ کے چشتی مشائخ کے اثر سے غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد کا مسلمان ہونا بالکل قرینِ قیاس ہے۔ گیارہویں صدی میں سلسلۂ چشتیہ کے مجدّد حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کو اشاعتِ اسلام کا بڑا اہتمام تھا۔ انھوں نے اپنے خلیفہ و جانشین شیخ نظام الدّین اورنگ آبادی کو جو خطوط لکھے ہیں۔ ان میں جا بجا اس کی تاکید و ہدایت ہے۔ ان کے مطالعہ سے ان کی اس مسئلہ میں بے چینی اور فکر کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

marfat.com

اس کی کوشش کرو کہ اسلام کا دائرہ وسیع اور اس کے حلقہ بگوش کثیر ہوں۔	در آں کوشید کہ صورت اسلام وسیع گردد و ذاکر ایں کثیر[1]

دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں۔

بہر حال کلمۃ الحق کوشید
واز مشرق تا مغرب
ہمہ حقیقی بر کنید[2]۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں۔
"شیخ نظام الدین صاحبؒ کی تبلیغی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے ہندو گرویدۂ اسلام ہو گئے۔ بعض اپنے رشتہ داروں کے ڈر سے مسلمان ہونے کا اظہار نہیں کرتے تھے لیکن دل سے مسلمان ہو چکے تھے۔"

شاہ کلیم اللہ صاحب ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔
"و دیگر مرقوم بود بھیہ و یارام و ہندو ہائے دیگر بسیار در ربقۂ اسلام در آمدہ اند، اما با مردم قبیلہ پوشیدہ می مانند۔"

---

[1] مکتوبات کلیمی، مکتوب نمبر ۷۶، صفحہ ۶۰

[2] ایضاً نمبر ۸۰ صفحہ ۶۲

ساتھ ہی ساتھ اس چیز کو بھی پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی شخص مسلمان ہونے کے بعد اپنے مسلمان ہونے کو مخفی رکھے۔ مبادا بعدِ موت اس کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو غیر مسلموں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

برادرِ من اہتمام نمایند کہ آہستہ آہستہ ایں امرِ جلیل از بطون بظہور انجامد کہ موت در عقب است، مبادا احکامِ اسلام بعد از رحلت بجا نیارند و مسلمان حقیقت را بسوزانند دیارام اگر خطے می نویسد، خطے نوشتہ خواہد شد[1]"

افسوس ہے کہ کسی نے مشائخ ہندوستان اور بالخصوص سلسلۂ چشتیہ کے مشائخ کی تبلیغی کوششوں کی تاریخ و روئداد مرتب کرنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ لیکن تمام مورخین کے نزدیک ہندوستان میں اشاعتِ اسلام کا سب سے بڑا ذریعہ صوفیائے کرام و فقرائے اسلام ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ان سلاسلِ تصوف میں سلسلۂ چشتیہ اور اس کے مشائخ کو اولیت اور اہمیت حاصل ہے اور اس کام میں ان کا حصہ تناسب سے زیادہ ہے۔

خدمت و اشاعتِ علم

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور ان کے خلفاء

---

[1] مکتوب ۲۱ ص ۴۱

اور اہل سلسلہ کو علم کی تحصیل و تکمیل کا جتنا اہتمام تھا اس کا اندازہ حضرت خواجہ فرید الدین رح کے مقولہ اور خود حضرت خواجہ نظام الدین کے شیخ سراج الدین عثمان اودی (اخی سراج) بانی خانقاہ پنڈوہ کے ساتھ رویہ سے ہوسکتا ہے کہ انھوں نے اُن کو اس وقت تک اجازت نہیں دی جب تک کہ انھوں نے علم کی تحصیل و تکمیل نہیں کر لی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ رشد و ارشاد اور درس و تدریس اور علم کی اشاعت و ترویج دونوں اس سلسلہ کی تاریخ میں ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ اور یہ رفاقت دورِ انحطاط تک قائم رہی۔

حضرت خواجہ رح کے ایک خلیفۂ اجل مولانا شمس الدین یحییٰ تھے جو اس عصر کے بہت سے علماء اور اساتذہ کے استاد تھے شیخ نصیر الدین چراغ دہلی رح کا مشہور شعر ہے۔ ؎

سَأَلْتُ الْعِلْمَ مَنْ اَحْيَاكَ حَقًّا

فَقَالَ الْعِلْمُ شَمْسُ الدِّيْنِ يَحْيٰى

میں نے علم سے پوچھا کہ تمہیں حقیقی حیات کس نے بخشی، اس نے مولانا شمس الدین یحییٰ رح کا نام لیا۔

شیخ نصیر الدین چراغ دہلی رح کے مخصوص ارادت مندوں مسترشدین میں قاضی عبد المقتدر کندی (م ۷۹۱ھ) ان کے شاگرد رشید شیخ احمد تھانیسری (م ۸۲۰ھ) اور مولانا خواجگی دہلوی (م ۸۰۹ھ) ہندوستان کے نامور ترین علماء استاد الاساتذہ

marfat.com

ومجددین علم میں سے ہیں۔ قاضی عبدالمقتدر اور مولانا خواجگی
کے شاگرد رشید، شیخ شہاب الدّین احمد ابن عمر دولت آبادی
(م ۸۴۹ھ) فخر ہندوستان اور نادرۂ روزگار تھے۔ اور
ملک العلماء قاضی شہاب الدّین کے نام سے ہندوستان کی علمی
وتاریخ میں زندہ جاوید ہیں۔ ان کی شرح کافیہ (جو شرح ہندی
کے نام سے عرب وعجم میں مشہور ہوئی۔) کے محشیوں میں علاّمہ
گازرونی اور میر غیاث الدین منصور شیرازی جیسی بلند شخصیتیں ہیں یہ
وہی ہیں جن کی علالت کے موقع پر سلطان ابراہیم شرقی نے
پانی کا پیالہ بھر کر اُن پر سے تصدق کیا۔ اور دعا کی کہ ملک العلماء
میری سلطنت کی آبرو ہیں۔ اگر ان کی موت مقدر ہی ہے تو ان
کے بجائے مجھے قبول کر لیا جائے۔

اسی سلسلہ کے ایک عالم جلیل مولانا جمال الاولیاء چشتی کوروی
(م ۱۰۴۷ھ) جن کے نامور شاگردوں میں مولانا لطف اللہ کوروی
سیّد محمد ترمذی کالپوی، شیخ محمد رشید جونپوری اور شیخ یٰسین بنارسی
جیسے علماء کبار وشیوخ عصر تھے۔ مولانا لطف اللہ کوروی کے شاگرد
ہندوستان کے مشہور عالم مولانا احمد امیٹھوی عرف ملّا جیون،
قاضی علیم اللہ کچندوی اور مولانا علی اصغر قنّوجی تھے۔ جنھوں
نے درس وتدریس کا ہنگامہ گرم رکھا۔ اور بڑے بڑے نامور
عالم ومدرس ان کے حلقۂ درس سے تیار ہو کر نکلے ٹیلہ والی مسجد

marfat.com

کا شہرۂ آفاق دارالعلوم جس کے مسند نشین حضرت شاہ پیر محمد لکھنوی (م ۱۰۸۵ھ) تھے اسی سلسلہ سے تعلیمی روحانی نسبت رکھتا تھا۔ خود درس نظامی (جس کی جہانگیری مسلّم ہے) کے بانی ملّا نظام الدین (م ۱۱۶۱ھ) اور ان کے نامور جانشین اور اہل خاندان اس سلسلہ سے نسبت روحانی رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ عام طور پر بھی مشائخ چشت کا علمی ادبی ذوق، تبحر اور علمی شغف ایک تاریخی حقیقت ہے جو حضرت نور قطب عالم حضرت جہانگیر اشرف سمنانی، حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی کے مکتوبات اور پنڈوہ، گلبرگہ، مانک پور، سلون وغیرہ کی خانقاہوں کی علمی سرگرمیوں اور دلچسپیوں سے عیاں ہے۔

خاتمۂ کلام

قبل اس کے کہ سلسلۂ چشتیہ کی تاریخ کا یہ صفحۂ زرّیں ختم کیا جائے، ایک تلخ حقیقت کی طرح اس کا اظہار ضروری ہے کہ زمانہ کے مرور و انقلاب کے ساتھ اس سلسلہ اور اس کے بانیانِ کرام اور اسلافِ عظام کی خصوصیتوں میں انحطاط و زوال رونما ہوا۔ تصوّف و روحانیت کی تاریخ بتاتی ہے۔ کہ ہر سلسلہ کا آغاز جذب قوی سے ہوا۔ پھر اس نے سلوک اور آخر میں رسوم کی شکل اختیار کرلی۔ یہاں بھی جس سلسلہ کا آغاز عشق، درد و محبّت، زہد و ایثار فقر و استغناء، ریاضات و مجاہدات اور دعوت و تبلیغ سے ہوا تھا۔

marfat.com

اس میں بتدریج ایسی تبدیلی ہوئی کہ آخر میں اس کے نظام کے تین نمایاں عناصر ترکیبی رہ گئے۔

(۱) وحدت الوجود کے عقیدے میں غلو اس کی اشاعت کا انہماک اور اس کے باریک و دقیق مضامین کا اعلان و تذکرہ۔

(۲) محافل سماع کی کثرت، وجد و رقص کا زور۔

(۳) اعراس کا اہتمام اور ان کی رونق و گرم بازاری جو شرعی حدود و قیود سے بے نیاز ہے۔

وہ اعمال و رسوم اور عقائد جن کی اصلاح کے لئے دینِ خالص کے یہ اولوالعزم داعی ایران و ترکستان کے دُور دراز مقامات سے آئے تھے۔ خانقاہوں کا ایسا دستور العمل بن گئے کہ غیر مسلم آبادی کے لئے یہ ایک معمّہ اور سوال بن گیا کہ اسلام اور دوسرے مذاہب میں (جن کی اصلاح کے لئے یہ مبلغینِ اسلام بحر و بر طے کر کے تشریف لاتے تھے) عملاً کیا فرق ہے؟ توحید کے لفظ کا استعمال اور دعوت توحید وجودی کے معنیٰ میں محدود ہو کر رہ گئی۔ سنت اور اتباعِ شریعت جس پر ان مشائخ نے اتنا زور دیا تھا۔ اہلِ ظاہر کا شعار اور حقیقت ناشناسوں کی علامت بن کر رہ گیا۔ شریعت و طریقت دو الگ الگ کوچے تسلیم کئے گئے۔ جن میں نہ صرف مغائرت تھی۔ بلکہ تضاد۔ مزامیر و آلاتِ سماع جن کی مشائخ متقدمین نے اتنی شدت سے ممانعت کی تھی داخلِ طریق بن گئے۔ درد و عشق

marfat.com

کی جنس جو طریقۂ چشتیہ کا سرمایہ تھا اس بازار میں ایسی نایاب ہوئی کہ طالبِ صادق کو حسرت سے کہتے ہوئے سنا گیا کہ۔ ع

ع وہ جو بیچتے تھے دوائے دل، وہ دُکان اپنی بڑھا گئے۔

فقر جو اس طریق کا فخر تھا۔ شانِ امیری اور شکوہِ خسروی سے تبدیل ہو گیا۔

اس سب سے بڑھ کر انقلاب اور تاریخ کا سانحہ یہ ہے کہ جن بندگانِ خدا کا مقصدِ حیات ہی خدا کے سب بندوں کا سر دُنیا کے تمام آستانوں سے اٹھا کر خدائے واحد کے آستانہ پر جھکانا اور "ماسویٰ" میں اٹکے ہوئے اور پھنسے ہوئے دلوں کو نکال کر ایک خدا سے اٹکانا تھا اور جن کی دعوت اور زندگی انبیاء علیہم السلام کی زندگی کی تصویر اور ان آیات کی تفسیر تھی۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ	کسی بشر سے یہ بات نہیں ہوسکتی
اللّٰهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ	کہ اللہ تعالیٰ تو اس کو کتاب
وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ	اور دین کی فہم اور نبوت عطا
كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ	فرمائے اور پھر وہ لوگوں سے
اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبَّانِيِّيْنَ	کہنے لگے کہ میرے بندے بن
بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ	جاؤ۔ خدا تعالیٰ کی توحید کو
الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ	چھوڑ کر لیکن وہ یہ کہے گا کہ
تَدْرُسُوْنَ ۙ وَلَا يَاْمُرَكُمْ	تم لوگ اللہ والے بن جاؤ۔

اَنْ تَتَّخِذُوا
الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ
اَرْبَابًا ۭ اَيَاْمُرُكُمْ
بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ
مُّسْلِمُوْنَ۔

(آل عمران ع ۸)

بوجہ اس کے کہ تم کتاب الٰہی
اوروں کو بھی سکھاتے ہو اور
اور بوجہ اس کے کہ خود بھی اس
کو پڑھتے ہو اور نہ وہ یہ بات
بتلاوے گا کہ تم فرشتوں کو اور
نبیوں کو رب قرار دے لو بھلا
وہ تم کو کفر کی بات بتلاویگا
بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو۔

انقلاب زمانہ سے خود ان کی ذات مطلوب و مقصود اور خود ان کا آستانہ مسجود و معبود بن گیا۔

marfat.com

مجددینِ اِسلام کے تجدیدی و دینی کارنامے

تصانیف مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ، مصنّف کتاب ہذا جو ہمارے ادارے اور دوسری جگہ سے نشر ہوئیں اور ہمارے اسٹاک میں ہیں!

تاریخ دعوت وعزیمت: پانچ جلدوں میں مکمل و مجلد معرکۃ الآرا کتاب ۱۸۳/-

جلد اوّل: حضرت عمر بن عبدالعزیز، شیخ عبدالقادر جیلانی رح حسن بصری رح وغیرہ ۴۰/-

جلد دوئم: حضرت امام ابن تیمیہ اوران کے خاص تلامذہ کے کارنامے ۳۵/-

جلد سوئم: خواجہ معین الدین چشتی رح حضرت محبوب الٰہی نظام الدین رح اور شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے کارنامے ۲۸/-

جلد چہارم: تذکرہ حضرت مجدد الف ثانی اِمام ربانی اوران کے خاص خلفار ۴۰/-

جلد پنجم: تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ رح اوران کے چاروں صاحبزادگان وخلفار کے کارنامے ۴۰/-

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ اوران کی دینی دعوت ۱۵/-

ایک اہم دینی دعوت تحریک حضرت مولانا محمد الیاس رح کی تفصیل اوراس کے اصول وقواعد ۵/-

سیرت سید احمد شہید رح جلد اول۔ جلد دوئم ہر جلد ۵۰/-

انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر ۳۵/-

تذکرہ مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی ۸/-

سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رح ۲۰/-

منصب نبوت اوراس کے عالی مقام حاملین ۲۵/-

marfat.com

فضائلِ درود شریف (اُردو عکسی)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اللہ تعالیٰ سے سب کچھ مانگنے کے لئے سب سے بڑا عمل دعا ہے اور دعا کی قبولیت کے لئے اوّل، آخر درود شریف نہایت اکسیر ہے اس کتاب میں درود شریف کے فضائل، اور نہ پڑھنے پر وعیدیں اور خاص خاص درود کا مجموعہ، درود شریف کے آداب واحکام روضۂ اقدس پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی اہمیت، عاشقینِ رسول کے پچاس قصے ذکر کئے گئے ہیں۔

قیمت اُردو آٹھ روپیہ۔ ہندی ایڈیشن بارہ روپیہ، انگریزی ایڈیشن پندرہ روپیہ۔

○

اِدارۂ اشاعت دینیات

حضرت نظام الدینؒ نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳

برانچ بمبئی: ادارۂ اشاعت دینیات

محمد علی روڈ بمبئی ۳

15.00

ANJUM.